وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین

تذکرۂ مسیح الامت

از حیات تا وفات

مؤلف

شیخ المشائخ حضرت مولانا ڈاکٹر حافظ تنویر احمد خان صاحب مدظلہم العالی

اجل خلفاء حضرت مسیح الامت نوراللہ مرقدہ

ترتیب

مولانا مفتی محمد صابر دانش صاحب دامت مجدہم

خلیفۂ خاص حضرت مولانا حافظ ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب دامت فیوضہم

شائع کردہ

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان

شاخ حیدرآباد

دفتر دار العلوم مظاہر العلوم، لطیف آباد نمبر ۹ حیدرآباد سندھ

وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ ۝ الذّٰریٰت ۵۵/۲۷

تذکرہ مسیح الاُمّت

از حیات تا وفات

تألیف

شیخ المشائخ حضرت مولانا ڈاکٹر حافظ تنویر احمد خان صاحب مدظلہم العالی

اَجلّ خُلفاء حضرت مسیح الاُمّت مولانا مسیح اللہ خان صاحب شیروانی نوّر اللہ مرقدہٗ

اَخصّ خُلفاء حضرت حکیم الاُمّت مجدّد الملّۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرّہٗ

ترتیب

مولانا مفتی صبّار دانش صاحب دام مجدہٗ

خلیفۂ مجاز حضرت مولانا ڈاکٹر حافظ تنویر احمد خان صاحب دامت فیوضہم

شائع کردہ

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان، شاخ حیدرآباد سندھ

دفتر: دار العلوم مظاہر العلوم لطیف آباد ۹ حیدرآباد۔ سندھ

سلسلہ نمبر ۷

نام کتاب : ــــــــ تذکرۂ مسیح الامت رح از حیات تا وفات
اشاعت اوّل ــــــــ ۱۴۱۴ھ مطابق ۱۹۹۴ء
تعداد ــــــــ
ضخامت ــــــــ
طباعت
کتابت ــــــــ محمد عبدالہادی مسعود
ناشر : ــــــــ مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان (شاخ حیدرآباد)

ملنے کا پتہ

۱: دفتر مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان شاخ حیدرآباد
دارالعلوم مظاہر العلوم لطیف آباد نمبر ۹ حیدرآباد سندھ

۲: المدنی دارالکتب : سرے گھاٹ حیدرآباد

۳: مرکزی دفتر : مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان، جامعہ اشرفیہ
فیروزپور روڈ - لاہور

۲۶۵۸۲

۸/۲۲۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست مضامین

وَمَآ اَصَابَکُمْ مِّنْ
مُّصِیْبَةٍ فَبِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ وَیَعْفُوْا
عَنْ کَثِیْرٍ (الشوریٰ ۳۰)

اور جو کچھ تم کو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کاموں سے پہنچتی ہے اور وہ بہت سی تو درگزر کر دیتا ہے

ثمراتِ اعمال

تالیف

حضرت مولانا حافظ ڈاکٹر تنویر احمد صاحب دامت برکاتہم

خلیفہ ارشد

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ خان صاحب دامت برکاتہم جلال آبادی

با اعانت

مولانا صباح دانش صاحب سلمہ مدرس مدرسہ دینیات حیدرآباد

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان حیدرآباد سندھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان دامت برکاتہم کے

دعائیہ کلمات

اللہ تعالیٰ خوب خدمات ظاہری و باطنی سے

نوازیں

احقر محمد مسیح اللہ عفی عنہ

۳۰ صفر ۱۴۱۲ھ ۱۱ ستمبر ۱۹۹۱ء

حرفِ آغاز

احقر نے یہ تمام واقعات اس زمانے کے لکھوائے ہیں، جب احقر پڑھتا تھا یا اسکے بعد جب جوان تھا اور حضرت والا سے ابتدا ہی سے نہایت بے تکلفی تھی اور اس بے تکلفانہ، ظریفانہ، شوخیانہ انداز سے گفتگو کرتا تھا کہ اکثر اوقات ادب کے حدود پھلانگ کر گستاخی کی حدود میں داخل ہوجاتا تھا۔

آج جب ان تمام باتوں کو اور حرکات کو سوچتا ہوں تو ندامت کے گہرے سمندر میں ڈوب جاتا ہوں۔ پھر یہ سوچتا ہوں کہ حضرت والا کس قدر عالی ظرف ہے کہ اس نالائق کی ان باتوں اور حرکتوں پر جو عام لوگوں کے سامنے کرتا تھا، کبھی پیشانی مبارک پر شکن تک نہیں لائے۔

اس لیے ان واقعات کا مطالعہ کرنے والے احقر کی اس بے تکلفانہ باتوں کا کوئی غلط اندازہ نہ لگائیں۔ آج تو یہ حالت ہے کہ احقر بھی ان باتوں اور حرکتوں کو کسی بھی انداز میں حضرت والا کی شان میں گستاخی کرنے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور تمام حضرات کو حضرت والا کی اتباع کی توفیق عطا فرمائے، اور آپکے فیوض ظاہرہ و باطنہ سے نوازے۔ آمین۔

[signature]

بروز جمعہ ۱۷-۱-۹۱

مقیم سال مہمان خانہ خاص حضرت والا نوراللہ مرقدہٗ

آخری حاضری اور حضرت کی وصیت

۲۵ ستمبر ۱۹۹۲ء بروز جمعہ کراچی سے ہوائی سفر کے ذریعہ حضرت والا کی خدمت میں جانا ہوا۔ اِس سفر میں عزیزم مُحمّد خالد سلمہٗ بھی ساتھ تھے ۲۶ تاریخ کو بعد نماز مغرب حضرت والا کی خدمت میں حاضری ہوئی۔ اس سے پہلے یہ سُنا گیا تھا کہ حضرت والا کو بہت زیادہ نقاہت اور کمزوری ہے۔ اشارہ سے نماز ادا کی جا رہی ہے اور زیارت بھی دور سے کرائی جا رہی ہے۔ ملاقات کسی سے نہیں فرما رہے ہیں۔

احقر نے جب حضرت والا کی خدمت میں پہنچ کر سلام کیا، تو فوراً آنکھ کھول کر یہ فرمایا کہ اچھا کراچی حیدرآباد والے تنویر احمد خان ہیں اور بیحد مسرّت کا اظہار فرمایا۔ اس وقت تو سرسری ملاقات فرمائی اور گفتگو کے بعد ہم آرام کرنے چلے گئے۔ دوسرے روز بعد نماز مغرب تفصیلی ملاقات فرمائی، اس وقت مُحمّد خالد صاحب اور ان کے صاحبزادے کے بارے میں بھی تفصیل سے معلوم کیا، اور یہ معمول ہو گیا کہ احقر نماز فجر کے بعد سے ناشتہ تک حضرت والا کی خدمت میں رہتا تھا اور اُسکے بعد ۱۰ یا ۱۱ بجے تک۔

حضرت والا نے اپنی طبیعت اور علاج کے بارے میں فرمایا کہ اس وقت ڈاکٹری اور ہومیو پیتھک علاج تو بند ہے، صرف یونانی علاج ہو رہا ہے اس سلسلہ میں اگر آپ کو کوئی دوا تجویز کرنی ہو تو ڈاکٹر محمد نعیم صاحب سے مشورہ کر کے میرے لیے طے کریں۔ اور یہ بھی اسی گفتگو کے دوران فرمایا کہ مجھے تمہارا تو پتہ نہیں، نہ کسی اور کا۔ لیکن میں اپنی بات بتا رہا ہوں کہ تمہارے آنے سے میری طبیعت پر بہت اچھا اثر ہوا ہے۔ اور بہت قوت و ہمت محسوس کر رہا ہوں۔

احقر حضرت والا کے لیے جواہر مہرہ لے کر گیا تھا۔ اسکا باقاعدہ صبح و شام استعمال شروع فرمایا۔ اسوقت حضرت والا کو علاوہ نقاہت کے بعد نماز فجر کھانسی کی شکایت ہوتی تھی اور دوسرے یہ کہ ناشتہ کے بعد طبیعت میں گرانی ہوتی تھی۔ اور ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ جاتے تھے یہ فرماتے تھے کہ کھانے کے بعد فرحت و قوت ہونی چاہیئے۔ اسکے بجائے ہوتا یہ ہے کہ پہلے میں ناشتہ کو کھاتا ہوں اور پھر ناشتہ مجھے کھاتا ہے

احقر نے عرض کیا کہ حضرت آپکی کھانسی اور ناشتہ والی تکلیف انشاء اللہ دور ہو جائے گی۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد کھانسی والی شکایت دور ہو گئی۔ ایک روز ناشتہ کی تکلیف کے سلسلے میں حضرت والا نے کچھ فرمایا تو احقر نے عرض کیا کہ آپ کو یہ خیالی تکلیف ہوتی ہے۔ اس لیے کہ آپ ناشتہ کے بعد اس انتظار میں بیٹھ جاتے ہیں کہ اب نقاہت شروع ہو گی اور ہاتھ پاؤں ڈھیلے ہوں گے۔ آپ اس خیال کو مہربانی

فرما کر چھوڑ دیں۔ اس دن کے بعد سے وہ تکلیف بھی حضرت والا کی رفع ہوگئی، صرف نقاہت کی شکایت اکثر ہوتی رہتی تھی اگرچہ نسبتاً اتنی قوت آگئی تھی کہ حضرت والا نے لوگوں سے ملاقات اور مصافحہ کرنا گفتگو کرنا، دعائیں دینا اور کبھی کبھار ہلکی مجلس کرنا شروع کردیا تھا۔

پھر واپسی کے ایام سے کچھ روز قبل خشکی اور قبض کی شکایت رہنے لگی تھی۔ جسکے لیے ڈاکٹر محمد نعیم صاحب نے کچھ دوا بھی دی اور احقر نے سات دانے منقی کے تجویز کیے تھے جنکا استعمال ہو رہا تھا اور قبض بھی کسیقدر دور ہوگیا تھا۔

نقاہت کے سلسلہ میں دو تین مرتبہ جب حضرت سے یہ عرض کیا کہ حضرت یہ بھی انشاء اللہ دور ہو جائیگی، تو نہایت آہستگی سے یہ فرمایا کہ مردے بھی کہیں ٹھیک ہوا کرتے ہیں۔ میں تو اب مردہ ہوں، زندہ نہیں ہوں اور یہ بھی فرماتے تھے کہ میں ویسے تو ٹھیک ہوں۔ لیکن اب جسم میرا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ اسی عرصہ میں ایک روز جب احقر حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا تو اشارہ کرکے میرے چہرے اور کان کو اپنے قریب کیا اور یہ فرمایا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے غور سے سنو، پہلے تو میں تمہیں نصیحت کیا کرتا تھا، لیکن اب وصیت کر رہا ہوں چنانچہ احقر نے وہ تمام باتیں حضرت والا کی سنی اور پھر دوسری مجلس میں جب اس سلسلہ میں حضرت والا سے گفتگو ہوئی تو احقر نے عرض کیا کہ جو کچھ وصیت آپ نے فرمائی ہے احقر نے اسکو لکھ لیا ہے اور اب انشاءاللہ

پاکستان پہنچ کر اس وصیت کو چھپواؤنگا فرمانے لگے کہ اگر ایسا کرنا ہے تو جو کچھ تم نے تحریر کیا ہے وہ مجھے بھی سناؤ تاکہ مجھے یہ معلوم ہوجائے کہ وہ تمام باتیں ربط کیساتھ لکھی گئی ہیں یا نہیں؟ کیا تربیت اور احتیاط کا انداز تھا، ہمیشہ اسی پر دوام رہا۔

چنانچہ احقر نے وہ کاغذ لاکر حضرت والا کو سنایا۔ حضرت نے اس میں چند جگہ اصلاح فرمائی اور پھر فرمایا کہ اب اسکو دوبارہ صاف کرکے پھر مجھے آکر سناؤ۔ چنانچہ احقر نے ایسا ہی کیا۔ دوبارہ سن کر حضرت والا نے فرمایا کہ ما شاء اللہ خوب لکھی گئی ہے اب آپ اس کو شائع کرائیں اور اللہ تعالیٰ اس سے تمہیں اور اپنی مخلوق کو نفع پہنچائے۔

پاکستان واپسی پر جب اسکی اشاعت کا ارادہ ہوا تو چند احباب سے اس سلسلے میں مشورہ ہوا، مشورہ میں یہ بات زیر غور آئی کہ اگر صرف یہ وصیت ہی مستقل طور پر شائع کی گئی تو یہ ۲ دو ورق ہوں گے اور لوگ اسکو اِدھر اُدھر رکھ دیں گے اور اس سے معتد بہ نفع نہ ہوگا۔ اس لیے یہ طے پایا کہ اس سے قبل احقر نے جو حضرت والا کے واقعات شروع طالب علمی کے زمانے سے اور آخری ملاقات تک قلمبند کرائے ہیں اور جن کی اشاعت کی اجازت اور اپنی سوانح حیات میں اسکی شمولیت کی اجازت پہلے سے موجود ہے اور اس پر حضرت والا کے دعائیہ جملے بھی ثبت ہیں۔ ان تمام واقعات کو اور شریعت و تصوف حضرت والا کی کتاب سے حضرت کی ابتدائی زندگی کے حالات لیکر اور آخر میں شجرۂ معمولات یومیہ شامل کرکے ایک

معقول کتاب کی شکل میں شائع کیا جائے۔

اِس سلسلے میں عزیزم مولوی صبار دانش جنکی کاوش سے یہ تمام چیزیں مرتب ہوئیں اور عزیزم محمد خالد جنکی سعی سے اسکی اشاعت ظہور پذیر ہوئی، باعثِ تحسین ہیں۔ مولوی جمیل احمد صاحب بھی وقتاً فوقتاً اِس سلسلہ میں اعانت فرماتے رہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس کتاب سے خصوصاً احقر کی ذات اور متعلقین اور عموماً تمام لوگوں کو نفع ظاہری و باطنی پہنچائے۔ آمین۔

تنویر احمد عفی عنہ

۱۹ دسمبر ۱۹۹۲ء مطابق ۲۳ جمادی الثانی ۱۴۱۲ھ

بروز سنیچر

حضرت والا سے تعلق کی ابتدا

یہ اُس زمانہ کی بات ہے جبکہ احقر مدرسہ امینیہ دہلی میں عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھ رہا تھا اور کافی عرصے سے بڑے حضرت نور اللہ مرقدہٗ سے خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا، بڑے حضرت والا نے احقر کو معمول کے مطابق اپنے مجازین کی مطبوعہ فہرست بھیجی ہوئی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ ان میں سے کسی سے اِصلاح کا تعلق قائم کر کے مجھ سے بیعت ہو جاؤ۔

احقر کو اِس سلسلہ میں جو کچھ شبہات تھے، بڑے حضرت والا سے اِس پر خط و کتابت ہو رہی تھی، وہ شبہات یہ تھے کہ طریقت میں مصلح سے مناسبت ہونا شرط ہے اور فہرست سے یہ تعین احقر کیسے کر سکے گا، کہ کس سے مناسبت ہو گی یا نہیں ہو گی اور اگر خط و کتابت سے بفرض محال مناسبت ہو بھی گئی، تو صورت دیکھنے کے بعد جب یہ پتہ چلے کہ حسین و وجیہ نہیں ہیں، تو پھر کیا ہو گا وغیرہ وغیرہ اِسی ضمن میں خطوط آجا رہے تھے۔

اِسی دوران میرے قصبہ کے ایک شخص مسمی محمد ہاشم مرحوم احقر کے پاس دہلی آئے اور اُنہوں نے بتایا کہ میں تھانہ بھون بڑے حضرت والا

نور اللہ مرقدہٗ کی خدمت میں جا رہا ہوں، احقر نے اُن سے یہ سوال کیا، کہ کیا تم بڑے حضرت سے بیعت ہو چکے ہو، جسکا اُنہوں نے اثبات میں جواب دیا، احقر نے اس پر یہ دریافت کیا، کہ تم نے مصلح کس کو تجویز کیا ہے۔ اِس پر انہوں نے یہ جواب دیا کہ مصلح کے بارے میں، میں نے بڑے حضرت ہی سے دریافت کیا تھا کہ میں کس کو تجویز کروں، اس پر بڑے حضرت والا نے یہ فرمایا کہ یہاں قریب میں ایک قصبہ جلال آباد ہے، یہاں مولوی مسیح اللہ خان صاحب رہتے ہیں اور مفتاح العلوم سے متعلق، تم اِن سے جاکر مل لو، اور دیکھ لو اگر تمہارے سمجھ میں آجائے تو اُن سے اِصلاح کا تعلق قائم کر لو۔

احقر نے اِس پر اُن سے متعدد سوالات کیئے کہ وہ کیسے ہیں، اخلاق عادات، معاملات، صورت و شکل کے اعتبار سے اور تربیت کرنے میں اُن کی عادت کیسی ہے۔ جس پر اُنہوں نے حضرت والا دامت برکاتہم کی بہت تعریف و توصیف کی اور یہ بتایا کہ وہ بہت حسین و جمیل، متحمل اور نرم مزاج ہیں، احقر نے یہ کہا کہ اِس وقت تو تم ہو آؤ، اور جب تمہارا وہاں جانا ہو تو میں بھی وہاں تمہارے ساتھ چلوں گا اور تمہارے مصلح صاحب کو دیکھونگا۔

جلال آباد میں پہلی حاضری

چنانچہ دو ماہ بعد جب وہ دہلی آئے اور اُنہوں نے بتایا کہ میں تھانہ بھون جا رہا ہوں، یہاں سے میں پہلے حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب کی خدمت

میں جاؤنگا، پھر وہاں سے تھانہ بھون جاؤنگا۔ احقر نے بھی جلدی بیں ایک جوڑا اور کچھ ضروری چیزیں ساتھ لے کر اُن کے ساتھ ہولیا۔ جب جلال آباد اسٹیشن پر اُترنا ہوا، اُس وقت غالباً ۳ بجے کا وقت تھا، احقر نے اپنے ساتھی محمّد ہاشم سے کہا کہ کسی بزرگ کی خدمت میں جانے کے لیے یہ بڑا نا وقت سا ہے، اِس لئے بہتر ہے کہ ظہر کی نماز پڑھ کر قصبہ میں کسی جگہ کھانا کھالیا جائے تاکہ حضرت کو اِس سلسلے میں تردّد اور پریشانی نہ ہو۔ چنانچہ قصبہ میں داخل ہوکر کھانے کے بارے میں معلوم کیا گیا تو پتہ چلا کہ پورے قصبہ میں ایسا کوئی ہوٹل اور دوکان نہیں جہاں سے کھانا میسّر ہو سکے۔

البتہ ایک شخص اپنے گھر کے سامنے دوکان پر سیخ کے کباب بنا رہا تھا، جن کا نام محمّد حنیف تھا۔ احقر نے اُن سے درخواست کی کہ اگر آپ دو چار روٹی پکوا دیں تو ہم آپکے کباب اور روٹیوں کا پُورا معاوضہ ادا کردیں گے، اُس شخص نے کہا آپ مسافر ہیں، میں رُوٹی پکوائے دیتا ہوں لیکن روٹیوں کا کوئی معاوضہ نہیں لوں گا، البتہ جتنے کباب آپ لیں گے اُن کے پیسے لوں گا۔ چنانچہ ہم دونوں نے کباب اور روٹی سے اپنا پیٹ بھرا اور حضرت کی خدمت میں پہنچ گئے۔

یہ گرمیوں کا زمانہ تھا اور لُو چل رہی تھی، حضرت کے خادم حافظ عبدالرزاق صاحب اُوپر بالاخانہ پر موجود تھے، اُنہوں نے یہ فرمایا کہ ابھی تو حضرت گھر میں آرام فرما رہے ہیں۔ عصر سے پہلے باہر تشریف

لائیں گے، اُس وقت آپ حضرات کی ملاقات ہو جائے گی۔ برآمدے میں ہی چارپائیاں بچھی ہوئی ہیں۔ اس وقت آپ اُن پر آرام کریں۔

حضرت والا کی پیشنگوئی

ابھی ہم اِن چارپائیوں پر بیٹھے ہی تھے کہ اچانک حضرت والا زنانہ خانہ سے باہر تشریف لائے اور حافظ عبدالرزاق صاحب سے ہمیں دیکھتے ہوئے یوں فرمایا "یہی تو وہ دو بزرگ ہیں جن کے بارے میں تم سے کہا گیا تھا کہ جب وہ آئیں تو مجھے اطلاع کر دینا" ہم نے اُٹھ کر حضرت کو سلام کیا مصافحہ کرنے کے بعد حضرت سے سرسری گفتگو کی۔

حضرت نے کھانے کے بارے میں پُوچھا تو احقر نے پورا واقعہ کھانے کا یہ عرض کرتے ہوئے کہ اِس ناوقت میں حضرت کو پریشانی میں ڈالنا مناسب نہ ہوگا، سُنا دیا، حضرت نے یہ فرمایا کہ کھانے کا تو انتظام تھا، بہرحال اب تو آپ لوگوں نے کھانا کھا ہی لیا، یہ سلامتئ طبع کی بات ہے۔ اب آپ لوگ آرام کریں، عصر کے وقت انشاءاللہ ملاقات ہوگی۔

ہم نے حضرت والا کے ساتھ عصر کی نماز مُفتے والی مسجد میں ادا کی، اس کے بعد گھر پر حاضر ہوئے، اُس زمانے میں حضرت والا ایک چارپائی پر تشریف فرما ہوتے تھے اور ایک دو چارپائی ساتھ میں بچھی ہوئی ہوتی تھیں۔ حضرت والا کی چارپائی پر اور دوسری چارپائیوں پر کچھ طالبِ علم اور ایک دو آدمی آکر بیٹھ جاتے، حضرت اس وقت خطوط کے جواب بھی تحریر فرماتے رہتے تھے اور ساتھ ہی اہلِ مجلس سے بھی کچھ باتیں کرتے

رہتے تھے۔

کبھی کبھی خط کا کچھ حصہ سُنا کر اسکا جواب بھی سنا دیا کرتے تھے اور کبھی اسی خط کے موضوع پر سامعین سے تربیت کی باتیں بیان فرماتے رہتے تھے۔ مغرب کی نماز کے بعد حضرت والا اندر سے کھانا لائے اور ہم دونوں کے ساتھ بیٹھ کر حضرت والا نے کھانا تناول فرمایا، کھانا کھانے کے دوران حضرت والا ہم سے گفتگو کرتے جا رہے تھے اور پرسشِ احوال بھی کرتے جا رہے تھے۔

مفتاح العلوم میں داخلہ احقر نے اسی دوران اپنا سارا کچا چٹھا حضرت والا سے خط وکتابت اور مدرسہ امینیہ میں قیام اور تعلیم کے سلسلہ میں عرض کر دیا۔ اِس پر حضرت والا نے یہ فرمایا کہ تم جتنی جلدی ہو سکے دہلی جا کر اپنا سامان اُٹھا کر یہاں میرے پاس آجاؤ۔ احقر نے رہائش اور کھانے وغیرہ کے بارے میں حضرت سے دریافت کیا کہ اِس کا کیا بندوبست ہوگا۔ اُس زمانے میں مدرسہ میں کھانے پینے کا کوئی انتظام نہیں تھا اور ہدایہ تک ابتدائی کتابیں یہاں پڑھائی جاتی تھیں۔

اِس پر حضرت نے یہ فرمایا کہ اسکا تم فکر مت کرو، تم میرے پاس رہو گے۔ اور کھانا وغیرہ بھی میرے یہاں سے کھاؤ گے، احقر نے عرض کیا کہ میں سونے کا مریض ہوں، اور سوتا بہت ہوں، دن کے بارہ ایک

بجے سے پہلے آنکھ نہیں کھلتی، اس سلسلے میں کافی علاج معالجہ بھی کیا گیا ہے۔ اس نیند کا کیا ہوگا۔

حضرت والا نے فرمایا کہ بس تم یہاں آجاؤ، انشاء اللہ تعالیٰ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ چنانچہ احقر واپس دہلی لوٹ کر اپنا سامان وغیرہ مدرسہ امینیہ کے دارالاقامہ سے لیکر اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے اجازت لے کر جلال آباد آگیا اور ایک اطلاعی خط گھر روانہ کر دیا کہ میں مدرسہ امینیہ کے بجائے مدرسہ مفتاح العلوم جلال آباد آگیا ہوں۔ اس سلسلہ میں معلوم ہوا کہ سب گھر والے بھی مطمئن ہو گئے ہیں۔ اس وقت احقر کا عجیب حال تھا، انگریزی بال رکھے ہوئے تھے، لباس غیر شرعی، دوھرے کف کی کالر والی قمیض، شلوار، سر پر ٹوپی جو کہ کپڑے کی نہیں تھی یا صافہ باندھتا تھا، غالباً احقر کی اُس وقت ڈاڑھی نکلنی شروع ہو گئی تھی، اسی ہیئت کذائیہ کے ساتھ احقر حضرت والا کے مکان میں قیام پذیر رہا۔

تربیت کی ابتداء

حضرت والا نے ایک کوٹھری اُس زمانے میں جس طرف بیت الخلاء بنے ہوئے تھے اسکے ساتھ تھی، وہ رہنے اور سامان وغیرہ رکھنے کے لیے عنایت فرمائی، حضرت کے دروازے کے سامنے چبوترہ اور برآمدہ تھا اور ایک نیم کا درخت چھت میں نکلا ہوا تھا، یہ تینوں چیزیں اب بھی موجود ہیں، احقر عام طور پر گرمیوں میں اس چبوترے پر بستر بچھا کر سوتا تھا، اور سردیوں میں

اس کوٹھری میں حضرت والا تینوں وقت یعنی ناشتہ، دوپہر کا کھانا اور رات کا کھانا اندر سے بنفسِ نفیس لاتے تھے اور احقر کے ساتھ بیٹھ کر تناول فرماتے تھے، کھانے کے دوران حضرت والا کھانے کے آداب، لقمہ لے کر سالن لگانے کے آداب، اور اس انداز سے کھانا کہ پلیٹ یا پیالہ کے دوسرے حصّے سالن سے ملوث نہ ہونے پائیں، اور کسی دیکھنے والے کو اُس سے کراہت محسوس نہ ہو۔

اور یہ بھی فرماتے تھے کہ جہاں تک ممکن ہو تین انگلی سے کھانا کھانا چاہیئے، جب تک کوئی خاص ضرورت نہ ہو، پانی پینے کے متعلق بھی آداب بیان فرماتے تھے کہ بہت ٹھہر ٹھہر کر چھوٹی چھوٹی گھونٹ لیکر تین مرتبہ میں پینا چاہیئے، اس سے پیاس کو تسکین بھی ہو جاتی ہے اور پیٹ میں پانی کا وزن بھی نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس اگر غٹ غٹ کرکے تین سانس میں پانی پیؤ گے تو پیاس بھی نہیں بجھے گی اور پیٹ میں پانی کا وزن بھی کافی ہو جائے گا۔

اور اس سلسلے میں بہت سی مشفقانہ مُربیانہ باتیں، حکایتیں، لطائف ہوتے رہتے تھے، یہ فرمایا کرتے تھے کہ کھانا کھاتے ہوئے اِس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ باتیں خوش طبعی کی اور لطیف ہونی چاہئیں۔ ایسی کوئی بات نہیں کرنی چاہیئے جو سُننے والے کے لیے ناگواری کا باعث ہو، یا اس سے کراہت آئے، احقر بھی اِس دوران میں بولتا رہتا تھا، سوالات کے انداز میں بھی اور دوسرے انداز سے بھی کرتا رہتا تھا، یہی

وجہ ہے کہ احقر کی حضرت والا سے گفتگو میں بے حد بے تکلفی ہے۔

جس شفقت، محبت اور مشفقانہ و مربیانہ انداز سے حضرت والا نے احقر کو اپنے یہاں رکھا ہوا تھا اس میں امی جان مرحومہؒ بھی برابر کی شریک تھیں، امّی جان مرحومہؒ احقر سے بے حد محبت، شفقت اور مُربیانہ انداز میں پیش آتی تھیں۔

حضرت والا کے خادم خاص حضرت والا کے اس زمانے میں حافظ عبدالرزاق مرحوم خادم تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ حافظ عبدالرزاق مرحوم کے بعد حضرت والا کو ایسا کوئی خادم میسّر نہیں آیا، بہت ہی عجیب ہستی تھے اور بے حد متقّی اور عفیف اِنسان تھے، احقر کا بھی دن بھر ان سے ہی واسطہ پڑتا رہتا تھا، مرحوم بھی احقر سے بے حد محبت کیا کرتے تھے، اور خلافِ عادت کبھی کبھی احقر سے خوش طبعی کی باتیں بھی کرلیا کرتے تھے، جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ احقر کو زیادہ سونے کی عادت تھی۔ اس سلسلہ میں احقر کے سونے کے واقعات اور قصّے جلال آباد میں آج بھی عام طور پر مشہور ہیں اور حضرت والا بھی ازراہ محبت و شفقت اکثر اپنی مجالس میں ان باتوں کا تذکرہ فرماتے رہتے ہیں، شروع میں کچھ عرصہ تک حضرت والا نے فجر کی نماز کے لیے احقر کو نہیں اُٹھایا، حافظ عبدالرزاق مرحوم کے استفسار پر، کیا تنویر احمد خان کو نماز کیلئے اُٹھایا جائے، حضرت والا نے فرمایا کہ ابھی تو وہ سو رہے ہیں اور نماز کیلئے مکلف نہیں، لیکن اُٹھانے کے بعد بھی اگر وہ نہ

اُٹھے، اور اُٹھ کر نماز نہ پڑھی تو گناہ گار ہوں گے۔ اس لیے اسے پڑا رہنے دو، یہ حضرت والا کی بہت بڑی شفقت تھی۔

احقر کی تعلیم کا آغاز

• احقر ابتدائی کتابیں صرف نحو کی پڑھتا ہوا مدرسہ امینیہ سے یہاں حاضر ہوا تھا، اس وقت ابتدائی کتابوں والے طلباء موجود نہیں تھے، حضرت نے تجویز فرمایا کہ ہدایۃ النحو، قدوری، نفحۃ الیمن، اور دیگر کتابوں والے طلباء کیساتھ بیٹھ کر یہ کتابیں پڑھنا شروع کر دو، اور فارغ وقت میں مجھ سے اپنی پچھلی کتابیں پڑھ لیا کرو۔ چنانچہ اس طریقے سے احقر نے اس جماعت میں داخل ہو کر مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم میں اپنی تعلیم کا آغاز کیا۔

احقر کے ساتھیوں میں اس وقت مولوی سلیم اللہ خان، مولوی محمد رفیق احمد مرحوم، مولوی حشمت علی، مولوی احسان اللہ، مولوی حمید اللہ وغیرہ تھے۔ حضرت والا کا یہ معمول تھا کہ مدرسہ جاتے ہوئے احقر کو ساتھ لیکر تشریف لے جاتے تھے اور واپسی میں بھی احقر ساتھ ہوتا تھا اکثر احقر کا ہاتھ چلتے ہوئے اپنے ہاتھ میں لے لیا کرتے تھے، اور یہ فرماتے کہ یہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے۔

حضرت والا کا ایک معمول

یہ بھی حضرت والا کا معمول تھا کہ راستے میں اگر کوئی چھوٹا سا بھی کاغذ کا ٹکڑا نظر آجاتا تھا اُسکو اپنے دستِ مبارک سے خود اُٹھا لیتے تھے خواہ وہ سادہ ہوتا تھا یا لکھا ہوا اور لکھا ہوا بھی خواہ کسی زبان میں ہوتا تھا اُٹھا لیا

کرتے تھے۔ اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر عبارت ایسی ہو کہ جس کی بے ادبی ہوتی ہو تو اٹھانا ہی چاہئے، لیکن ویسے بھی محض کاغذ کا ادب بھی اسلئے ہونا چاہئیے کہ وہ آلۂ علم ہے۔ حضرت کے اِس عمل کی وجہ سے ہمیں بھی یہ عادت اور اہتمام طبیعت میں پیدا ہو گیا تھا کہ جہاں کہیں کاغذ کا ٹکڑا نظر آجاتا تھا اُس کو فوراً آگے بڑھ کر اُٹھا لیتے تھے، اور کسی محفوظ مقام پر رکھ دیتے تھے۔

والہانہ اور محبّانہ تعلق

اُس وقت سے ہی احقر کا ایک والہانہ تعلق اور حضرت کا ایک مُحبّانہ تعلق قائم ہوگیا تھا، حضرت والا نے اِس تمام زمانۂ طالب علمی میں کسی بات پر تنبیہ نہیں فرمائی۔ اگر حضرت والا احقر کی کسی ایسی بات کو دیکھ لیتے تھے، یا حضرت کے علم میں آجاتی تھی تو حضرت کا یہ طریق تھا کہ بلاواسطہ اس پر کبھی تنبیہ نہیں فرماتے، بلکہ مجلس کے دوران ضمناً اور باتوں کے درمیان اِس بات کے بارے میں بھی بیان فرما دیا کرتے تھے، جس سے احقر یہ سمجھ لیا کرتا تھا کہ احقر کی اِس بات کا علم ہوگیا ہے اور آپ احقر کو تنبیہ فرما رہے ہیں اگرچہ وہ عمومی انداز میں ہوتا تھا، لیکن احقر اسکو اپنی ذات پر منطبق کرلیا کرتا تھا۔

طالب علمی کے واقعات

زمانہ طالب علمی میں حضرت والا نے جس جس طریقے سے اصلاح فرمائی اور احقر کے مزاج کو تبدیل فرمایا اس ضمن میں بہت سے واقعات ایسے ہیں

جو قلمبند ہونے کے قابل ہیں

پہلا واقعہ احقر ایک مرتبہ مدرسہ میں درس میں شریک تھا اور قیام کرتے ہوئے کافی دن ہو گئے تھے۔ حضرت والا کی نظر میری قمیض کے دوہرے کف پر پڑی، حضرت والا نے یہ فرمایا کہ تنویر احمد خان ایک کف تک تو بات سمجھ میں آگئی کہ یہ آستین کیلئے ہوتا ہے، لیکن یہ دوسرا کف جو اسکے اوپر لوٹا ہوا ہے اُسکی کوئی توجیہہ سمجھ میں نہیں آئی، کیا یہ اسرافِ بیجا میں شامل نہیں، احقر نے جواب میں یہ عرض کیا، کہ اگر یہ اسراف ہیں ایک دو گرہ کپڑا ہو سکتا ہے تو پھر آپ حضرات کے لباس میں کرتہ، شلوار اور شیروانی میں بہت ہی اسرافِ بیجا ہے اِس سے تو بہتر پھر انگریزوں کی چھوٹی قمیض اور چھوٹے کوٹ بہتر ہیں کہ جس میں بالکل اسراف نہیں۔

حضرت والا مسکرا کر تھوڑے دیر خاموش رہے، پھر فرمانے لگے کہ تمہارے ذہن میں بڑی عجیب عجیب دلیلیں آتی ہیں، لباس کا اصل مقصد ہے کیا؟ مقصود اِس سے ستر کا ڈھانپنا ہوتا ہے اور ایسا لباس جس کے پہننے سے اعضاء کا اظہار ہوتا رہے ستر پوشی میں داخل نہیں ہمارے لمبے کرتے اور شیروانی، اچکن وغیرہ کا مقصد یہ ہے کہ مکمل طور پر ستر پوشی رہے، اسکے برعکس انگریزی لباس میں یہ مفقود ہے۔ اب یاد نہیں کہ اسکے جواب میں احقر نے کیا دلیل دی تھی اور اس پر حضرت نے کیا جواب دیا تھا۔ لیکن کچھ دیر گفتگو ہونے کے بعد حضرت نے یہ فرمایا کہ

کب تک تم دلیلیں دیتے رہو گے۔ احقر نے اس پر یہ عرض کیا کہ حضرت جہاں تک تعلق بحث مباحثہ اور دلیل دینے کا ہے، جب تک مجھے اطمینان نہیں ہوگا، میں دلیلیں دیتا رہوں گا۔ البتہ دوسری صورت یہ ہے کہ آپ احقر کو اگر کوئی حکم دیں تو احقر اس کو بے چون و چرا تسلیم کرلے گا اور اس پر عمل بھی کرلے گا۔

اگر اس وقت آپ یہ حکم فرمائیں کہ تنویر احمد خان تم اس کف کو کاٹ دو، تو میں بے چون و چرا اس کو کاٹ دوں گا۔ فرمایا اَچھا باتیں تو ہوتی رہیں گی فی الحال تم اس کف کو کاٹ دو، حضرت والا کے ساتھ اُس زمانہ میں ایک قینچی اور ایک چاقو اور دیگر کچھ چیزیں رہا کرتی تھیں، احقر نے حضرت والا سے وہ قینچی لے کر اپنی قمیص کے دونوں کف اُسی وقت کاٹ دیئے اس پر حضرت والا بہت خوش ہوئے۔

دوسرا واقعہ اُس وقت مدرسہ کے بیرونی طلبہ کے لیے مدرسہ میں کھانے کا کوئی انتظام نہیں تھا، بلکہ ایسے طلبہ کے لیے قصبہ کے متمول گھرانے پر طعام مقرر کر دیا گیا تھا اور وہ طلبہ دونوں وقت پیالہ اور دستر خوان ہاتھ میں لے کر اُن گھروں پر جاتے تھے اور وہاں سے کھانا لے کر آتے تھے۔ احقر کو یہ بات طبعاً بہت ناگوار ہوتی تھی کہ یہ طلبہ بھکاری بن کر دروازوں پر جا کر کھانا مانگ کر لاتے ہیں، لیکن چونکہ احقر اس سلسلے میں کوئی بات

نہیں کرسکتا تھا، اس لیے ایک عرصہ تک اس عمل کو دیکھتا رہا اور دل میں نفرت بڑھتی گئی۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا، مدرسہ کی چھٹیاں تھیں۔ مقامی طلبہ تو گئے ہوئے تھے اور بیرونی طلبہ کچھ چلے گئے تھے اور کچھ مقیم تھے۔ ان میں سے ایک طالبِ علم بیمار ہوگیا، احقر نماز پڑھ کر حضرت والا کے ساتھ ساتھ آرہا تھا۔ بالاخانہ کے گھر کے دروازے پر پہنچ کر حضرت والا نے احقر سے یہ فرمایا کہ تنویر احمد خان فلاں طالبِ علم بیمار ہے وہ اپنا کھانا وغیرہ نہیں لا سکے گا، تم اس کے برتن لے کر اس کے مقرر کردہ قصبہ کے گھر سے کھانا لاکر اس کو پہنچا آؤ۔

اتنا فرما کر حضرت والا فوراً اپنے مکان میں اندر تشریف لے گئے۔ احقر کو پسینہ آنا شروع ہوگیا، اور اس ششش و پنج میں پڑ گیا کہ اب کیا کیا جائے، آیا وہ عمل جس کو خود اتنی نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں اسے کیا جائے، یا نہ کیا جائے، حضرت والا کی طرف سے یہ مشورہ تو تھا نہیں حکم تھا، اس لیے مزید استفسار کی گنجائش بھی نہ تھی، یہی سمجھ میں آیا کہ حضرت نے احقر کے علاج کے لیے یہ حکم دیا ہے۔

چنانچہ بمشکل تمام اس طالب علم کا پیالہ اور کپڑا اٹھایا اور سینکڑوں قیامتوں سے گذر کر دروازے پر دستک دی، اس کا کھانا وصول کیا اور اُس کو پہنچایا۔ اس سارے عمل میں احقر پر جو

کچھ گذری، اسکو بیان کرنے سے تحریر قاصر ہے، اتفاق سے اُس طالبِ علم کی بیماری کچھ لمبی ہوگئی اس لیے اس عمل کو کچھ دنوں تسلسل سے کرنا پڑا، جس کے لیے حضرت والا نے مزید ہدایتیں فرمادیں کہ جب تک وہ طالب علم بیمار رہے اس کا کھانا لا کر دے دیا کرو۔

یہ وہ زمانہ ہے کہ جبکہ احقر نے ذاتی طور پر ایک باورچی رکھا ہوا تھا اور وہ احقر کا ناشتہ، کھانا وغیرہ تیار کرتا تھا، اسی دوران میں ایک روز حضرت نے یہ فرمایا کہ تنویر احمد خان اِن طالبِ علموں کے کھانوں میں نور ہوتا ہے، ایسا کیا کریں کہ کبھی کبھی اپنا کھانا ان کو دیکر اور ان کا کھانا خود کھا لیا کرو۔ تب تو احقر کو یہ بالکل یقین ہوگیا کہ یہ عمل میری اصلاح کے لیے کیا جا رہا ہے چنانچہ دوسری شکل پر بھی عمل کیا گیا اور وہ ساری نفرت اور کبر احقر کے دماغ سے نکل گیا۔

تیسرا واقعہ: احقر کے خاندان کے اکثر لوگوں کا اصلاحی تعلق حضرت والا سے تھا اِس زمانہ میں دادا آبا رحمۃ اللہ علیہ اور احقر کے منجھلے چچا کبیر احمد خان شہیدؒ ان دونوں کا اصلاحی تعلق بھی حضرت سے تھا، اور بڑے حضرت نور اللہ مرقدہ سے بیعت تھے یہ حضرات جب بھی تشریف لاتے تھے، احقر حضرت والا کے پاس مقیم تھا اس لیے بھی اور اصلاحی تعلق کی وجہ سے قیام حضرت والا کے یہاں ہی کرتے تھے، اس وقت یہ بھی ایک معمول تھا کہ جتنے بھی مہمان آتے

تھے اُن کو ناشتہ اور دونوں وقت کھانا حضرت والا اپنے ہی گھر سے کھلایا کرتے تھے۔

ایک آدھ مہمان ہوا تو حضرت کے یہاں قیام کرلیا کرتا تھا اور اگر زیادہ ہوتے تو کچھ کو مدرسہ میں سونے کے لیے بھیج دیا جاتا، گرمیوں کے دن تھے، احقر کے چچا کبیر احمد خان شہید تشریف لائے ہوئے تھے قیام مدرسہ میں تھا اور طعام حضرت کے یہاں تھا۔ مغرب کے بعد کھانے سے فارغ ہو کر چچا مدرسہ میں تشریف لے گئے ان سے ملاقات اور باتیں کرنے کے لیے احقر بھی مدرسہ چلا گیا۔

وہاں کچھ طالبِ علم آپس میں باتیں کر رہے تھے جن میں ایک بنگالی طالبِ علم بھی تھا کچھ فاصلہ پر چچا صاحب چارپائی پر آرام فرما رہے تھے چچا صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد احقر بھی اس طلبہ کے بحث مباحثہ میں شریک ہو گیا، اس بنگالی طالبِ علم سے بحث کے دوران کچھ گرما گرمی ہو گئی۔ اس گرما گرمی کے دوران اس بنگالی طالب علم نے احقر کو گالی دیدی۔ جو بہت بڑی گالی سمجھی جاتی ہے۔

احقر نے شدت سے اس کو روکا اور منع کیا کہ اُس نے مزید اس لفظ کو دہرایا تو احقر اُس کو ماریگا، اس پر وہ طالبِ علم باز نہیں آیا اور لڑنے کے لیے بھی کھڑا ہو گیا۔ احقر بھی کھڑا ہو گیا اور اُس طالبِ علم کو دو گھونسے مار دیئے۔ احقر کا خیال تھا کہ لڑنے میں بنگالی بہت قوی ثابت ہو گا۔ لیکن معاملہ برعکس نکلا اور وہ دو گھونسے کھا کر ہی

گر پڑا، اتفاق سے دوسرا گھونسا اُس کی آنکھ پر لگا تھا، جس پر وہ گر پڑا اور آنکھ پکڑ کر شور مچانا شروع کر دیا، ہمارا آنکھ پھوڑ دیا، ہمارا آنکھ پھوڑ دیا، احقر کو بے حد تشویش لاحق ہوئی کہ خدانخواستہ اُسکی آنکھ ضائع نہ ہو گئی ہو۔

چچا صاحب اِس معاملہ میں اخیر تک کچھ نہیں بولے، پھر بعد میں مجھ سے یہ فرمایا کہ میں یہ دیکھ رہا تھا کہ تو مارتا ہے یا پٹتا ہے، چنانچہ احقر اپنے اس عمل پر نادم ہوتے ہوتے اپنی جگہ پر واپس آیا اور یہاں سے کچھ دوائیں وغیرہ لے کر مدرسہ گیا اور طلبہ سے یہ کہا کہ یہ دوا اس کی آنکھ پر لگا دو۔ رات کا یہ واقعہ تھا صبح وہ بنگالی طالب علم حضرت والا کی خدمت میں شکایت لے کر حاضر ہوا، اور بہت لمبی چوڑی شکایت حضرت والا سے کی۔

حضرت نے اِس واقعہ کی تحقیق فرمائی اور پھر احقر کو بُلا کر معاملے کے بارے میں پوچھا۔ احقر نے آخر میں یہ عرض کیا کہ جو کچھ اُس نے میرے نسب پر الزام لگایا، اُسکی نسبت سے تو احقر کو اٹھارہ گھونسے اور مارنے چاہئیں۔ باقی یہ بات جو کچھ اُنھوں نے بتائی ہے وہ صحیح ہے۔ اب جو کچھ آپ فیصلہ فرمائیں، بندہ تعمیل کے لیے حاضر ہے۔

حضرت والا نے فرمایا اسکی آنکھ جیسی جگہ پر تمہیں نہیں مارنا چاہیئے تھا۔ احقر نے عرض کیا کہ ارادۃً ایسا نہیں ہوا۔ پھر فرمایا کہ ایسا کرو کہ اس کے علاج کا خرچہ اور اس کا دل خوش کرنے کے لیے کچھ

پیسے اس کو دے دو، اور اس سے اس زیادتی کی معافی بھی مانگو۔ معافی کے سلسلہ میں احقر نے کچھ تردد پیش کیا۔ حضرت والا نے فرمایا نہیں تمہیں معافی مانگنی چاہیئے اور اپنے اخلاق اور حوصلہ کی بلندی قائم رکھنی چاہیئے، چنانچہ احقر نے اس سے معافی بھی مانگی اور رقم بھی اسکو دی، جس پر وہ خوش ہوگیا۔

چوتھا واقعہ ٹانٹا نگر کے ایک طالبِ علم جن کا نام غالباً محمّد اطہر یا اطہر علی تھا، حضرت والا نے اُن کو مٹنے والی مسجد کے حجرہ میں ٹھہرایا ہوا تھا، اور اُن کو یہ تاکید فرمائی ہوئی تھی کہ نماز کے علاوہ اوقات میں دونوں طرف کے دروازے بند کردیا کرے۔ خصوصاً رات کو سونے سے پیشتر دروازوں کو دیکھ کر بند کردیا کرے کہیں کتّا وغیرہ مسجد میں داخل ہوکر پاخانہ پیشاب نہ کردے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ دن بھر بارش ہوتی رہی، رات کو بھی بارش کا سلسلہ رہا۔ اسی بارش کے دوران حضرت والا مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے رہے۔ احقر بھی ہمراہ ہوتا تھا اور حافظ عبدالرزاق بھی۔ فجر کی نماز میں جب حضرت تشریف لے گئے تو اُس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی تھی، نماز کے ختم ہونے پر بارش کچھ تیز ہوگئی، حضرت والا تھوڑی دیر کے لیے مسجد میں رک گئے، جب بارش ہلکی ہوئی تو حضرت جانے کے لیے باہر نکلے، اس وقت اچھی خاصی روشنی پھیل چکی

تھی، حضرت والا کی نظر باہر کے صحن میں کتے کے پاخانہ پر پڑی،
حضرت نے دیکھا کہ مسجد کے صحن میں کتے کا پاخانہ پڑا ہوا ہے
حضرت نے فرمایا افوہ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ رات کو مسجد کا دروازہ
بند نہیں کیا۔

کہاں ہے وہ طالبِ علم جو یہاں مسجد میں سوتا ہے۔ اُسے یہ ہدایت
کی ہوئی ہے رات کو احتیاط کے ساتھ دیکھکر دروازے بند کرلیا کرے
احقر نے عرض کیا کہ حضرت وہ مسجد کے اندر بیٹھے ہوئے ہیں، حضرت
والا مسجد میں واپس تشریف لائے اور اُس طالبِ علم سے استفسار
فرمایا کہ تم نے رات کو مسجد کا دروازہ بند نہیں کیا تھا، جواب میں
وہ خاموش رہا۔ حضرت والا نے دوسری مرتبہ پوچھا پھر بھی وہ
خاموش رہا پھر تیسری مرتبہ پوچھا کر بولتے کیوں نہیں ہو، جواب دو
اس پر بھی وہ خاموش رہا۔

اِس کے بعد حضرت والا نے احقر سے مخاطب ہوکر فرمایا،
شاید یہ میری بات سمجھ نہیں پائے، تم ان سے پوچھو، احقر نے
عرض کیا حضرت یہ سب کچھ سمجھ رہا ہے اور قصداً جواب سے اعراض
کررہا ہے۔ چنانچہ احقر نے اُس سے مخاطب ہوکر یہ کہا کہ تم میری
بات کا فوری جواب دو، ورنہ میں تمہارے ساتھ بُری طرح پیش
آؤں گا، تم کوئی گونگے بہرے نہیں ہو۔

کیا تم نے رات کو دروازہ بند نہیں کیا تھا، اِس پر اُس نے

گردن ہلاکر جواب دیا کہ ہاں۔ احقر نے حضرت سے عرض کیا کہ یہ اس بات کو تسلیم کر رہے ہیں کہ انہوں نے رات کو دروازہ بند نہیں کیا، کھلا رہ گیا، حضرت نے فرمایا اچھا ٹھیک ہے۔ کوئی بات نہیں اب انہیں یہ چاہیئے کہ اُٹھ کر کسی چیز سے اس پاخانہ کو باہر پھینک دیں۔ اور پانی سے مسجد کے صحن کو دھو ڈالیں۔

اِس واقعہ کے دوران بہت لوگ اور طالب علم کھڑے ہوئے تھے اور یہ سب واقعہ دیکھ رہے تھے اور سُن رہے تھے، حضرت والا نے یہ بات تین مرتبہ اطہر علی سے ارشاد فرمائی، لیکن اُسکے جسم میں کوئی حرکت پیدا نہیں ہوئی۔ حضرت والا نے پھر احقر سے فرمایا، کہ تنویر احمد خان ان سے یہ بات دریافت کرو کہ ان کو میری یہ بات سمجھ میں آگئی ہے یا نہیں؟ احقر نے پھر سختی سے ان سے پوچھا کہ تم یہ کام کرنا چاہتے ہو یا نہیں، اس کا جواب انہوں نے نفی میں دیا۔ احقر نے عرض کیا حضرت یہ، یہ کام نہیں کرنا چاہتے، اِس وقت حافظ عبدالرزاق مرحوم تو واپس گھر پر جاچکے تھے چونکہ ان کے ذمہ کچھ ذمہ داری ہوتی تھی جن کو وہ پورا کرتے تھے، باقی لوگ اور احقر وہاں مسجد میں کھڑے ہوئے تھے۔

حضرت والا نے سب پر ایک سرسری نظر ڈالی اور احقر سے یہ فرمایا، کہ تنویر احمد خان تم یہ کام کردو، چنانچہ احقر نے بلا تامل کسی کراہیت کے اپنے دونوں ہاتھوں سے پاخانہ اُٹھاکر باہر پھینکا اور

مسجد کے صحن کو جھاڑو اور پانی کے ذریعہ سے دھو ڈالا، حضرت والا صرف میرا وہ عمل ہاتھ سے اُٹھانے والا دیکھ کر گھر تشریف لے گئے، جب احقر اس عمل سے فارغ ہوا تو لوگوں نے یہ بتایا کہ اطہر مسجد میں اسی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے، اور اس کو شدت کا بخار چڑھ گیا ہے۔ لوگوں نے اُسکو اُٹھا کر اُس کے حجرہ میں اُس کو لٹا دیا۔

احقر اسکی حالت دیکھ کر واپس حضرت والا کے گھر پر آگیا۔ جب حضرت والا ناشتہ لے کر بر آمد ہوئے تو احقر نے عرض کیا کہ اطہر علی کو بہت تیز بخار چڑھ گیا ہے اور لوگوں نے اس کو اُٹھا کر اُس کے حجرہ میں لٹا دیا ہے۔ خدا کے لیے آپ اُسے معاف فرما دیں۔

حضرت والا نے فرمایا کہ معافی تو درکنار، میں تو اس کے لیے مسلسل دُعا کر رہا ہوں، کہ وہ کسی پریشانی اور مصیبت میں گرفتار نہ ہو، تم اسکی دیکھ بھال کرتے رہنا اور جو کچھ دوا وغیرہ اور کھانے کی اسکو ضرورت ہو پہنچاتے رہنا، مغرب کے بعد پھر عرض کیا گیا کہ حضرت اُسکی حالت ویسی ہی ہے اور اُسکے بخار میں کوئی کمی نہیں آئی۔

حضرت والا نے فرمایا کہ میں تو اس کے لیے مسلسل دعائیں مانگ رہا ہوں، لیکن بعض کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ کچھ عجیب ہوتا ہے، میرے معاف کرنے اور دُعا مانگنے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ یہی معاملہ رکھے ہوئے ہیں، اب تم ایسا کرنا، یہ ابھی ٹھیک نہیں ہوں

گے۔ کل ان کو اپنے ساتھ لے کر اُن کے گھر ٹاٹانگر چھوڑ آؤ، اپنے اور اسکی آمد و رفت کا کرایہ کل مجھ سے لے لینا۔ چنانچہ دوسرے دن احقر نے حضرت سے کرایہ لینے کے بعد اُس کو ساتھ لے کر اسکے گھر ٹاٹانگر پہنچا دیا، راستہ میں بھی اسکی ویسی ہی حالت رہی، اور اسکو گھر پہنچانے میں بہت تکلیف اُٹھانی پڑی۔

رات کو مغرب کے بعد ان کے گھر ان کو پہنچایا، اُن کے بھائی وغیرہ نے احقر کو رات کو مسجد میں ٹھہرایا، صبح ان سے اجازت لے کر وہاں سے واپس ہوا، نہ تو ان لوگوں نے کرایہ کے بارے میں استفسار فرمایا اور نہی کھانے وغیرہ کے بارے میں، بہر حال چونکہ حضرت والا نے واپسی کا کرایہ دے ہی دیا تھا اس لیے احقر واپس جلال آباد پہنچ گیا اور حضرت والا کو اُسکے وہاں پہنچانے کی اور ان کے سلوک کی اِطلاع کر دی اِس پر حضرت والا نے بہت تعجب فرمایا، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ وہ زندہ بھی بچے یا نہیں، اس سے حضرت والا کی شانِ محبوبیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

پانچواں واقعہ دوسرے سال کی تعلیم کے دوران گھر والوں نے احقر کی شادی کا فیصلہ کر لیا، احقر اس وقت چھٹیوں میں گھر پر گیا ہوا تھا، واپسی پر احقر نے حضرت کو اپنی شادی میں شرکت کی دعوت دی، جسکو حضرت والا نے بکمال شفقت و محبت قبول فرمالیا۔ چنانچہ شادی کی تاریخوں پر احقر چھٹی لے کر گھر چلا گیا،

اور سفر کے سلسلے میں حضرت والا کو سب کچھ عرض کر دیا کہ اس طرح سے آپ کو ریواڑی سے نارنول پہنچنا ہوگا اور وہاں سے بس کے ذریعہ مہندر گڈھ پہنچنا ہوگا۔

قصبہ کے بالکل شروع میں احقر کا محلہ راٹھوان واقع ہے جیسے بس وہاں پہنچے آپ وہیں اُتر جائیے اور اگر آپکے آمد کی پہلے اطلاع ہوگئی، تو احقر آپ کو نارنول پہنچ کر ساتھ لے جائے گا، حضرت والا نے اپنے آنے کی کوئی اطلاع نہیں فرمائی اور ویسے ہی گھر پر پہنچ گئے، اس زمانے میں سردی شدت سے پڑ رہی تھی اور حضرت والا کی یہ ھیئت تھی کہ ایک جوڑا کپڑے میں لپٹا ہوا، ایک آدھ اور کوئی چیز اِس میں تھی اور کوئی سامان بستر وغیرہ حضرت کے ساتھ نہیں تھا، ہاں ایک روئی کی اچکن پہنی ہوئی تھی، احقر نے عرض کیا کہ حضرت اِس سردی میں بغیر لحاف کمبل کے کیسے سفر فرمالیا؟

حضرت فرمانے لگے سفر میں سامان سے مجھے بڑی وحشت ہوتی ہے ہلکا پھلکا رہنے میں بڑی راحت محسوس ہوتی ہے۔ بحمدللہ تعالیٰ اسی حالت میں وہاں پہنچ گئے۔ مہمان خانہ میں حضرت والا کے لیے قیام کا بندوبست کیا گیا، جہاں پہلے سے دوسرے مہمان بھی ٹھہرے ہوئے تھے۔ شادی کا ہنگامہ تھا، احقر بڑی مشکل سے وقت نکال کر کبھی کبھار حضرت سے مل لیتا تھا، حضرت والا دو تین دن پہلے ہی تشریف لے آئے، احقر کے چچا کبیر احمد خان جو حضرت والا سے متعلق تھے۔ حضرت والا کی دیکھ بھال

اور خدمت کر رہے تھے۔

ہمارے یہاں کا مردانہ حصّہ یا مہمان خانہ قصبہ کی بالکل ابتدائی عمارت تھی جہاں سے قصبہ شروع ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کوئی عمارت نہیں تھی، ریگستانی علاقہ تھا، پانی، بجلی، سڑک وغیرہ کی کوئی سہولت اس وقت وہاں نہیں تھی۔ بہشتی وغیرہ مشکوں سے گھروں میں پانی وغیرہ بھرا کرتے تھے، یہ حضرت والا کی عین محبّت اور شفقت تھی کہ ایسے علاقہ میں سفر کی صعوبت اُٹھا کر تشریف لائے۔ جب بارات چلنے کا وقت آیا، تو بارات کو بسوں کے ذریعہ سے نارنول جانا تھا۔ چنانچہ بسیں بارات کے لیے آکر کھڑی ہوگئیں، ایک میں عورتوں کو لے جانے کا اور دوسری میں مردوں کو لیجانے کا بندوبست کیا گیا۔

ہمارے یہاں کا ایک عام دستور تھا کہ دولہا غسل کرکے اور کپڑے وغیرہ بدل کر سب سے پہلے مسجد جاتا تھا اور دو رکعت نفل ادا کرتا تھا۔ پھر ہمارے زنانہ مکان کے پیچھے قدیم قبرستان تھا، وہاں جا کر ایصالِ ثواب کرتا تھا، اسکے بعد گھر والوں کو سلام کرکے روانہ ہوتا تھا، چنانچہ برات بسوں میں سوار ہوچکی تھی اور احقر ان کاموں میں لگا ہوا تھا، جیسے ہی ان کاموں سے فارغ ہوا، آخر میں اپنی والدہ صاحبہ سے رخصت کی اجازت مانگی، کیونکہ وہ بارات میں نہیں جارہی تھیں اور ان کی بجائے احقر کی دو خالائیں بارات میں جارہی تھیں۔

جب احقر زنانہ مکان کی ڈیوڑھی سے باہر نکلا، ابھی چند ہی

قدم چلا تھا کہ احقر نے دیکھا کہ حضرت والا بہت پریشانی کے عالم میں تیز تیز قدم چلے آرہے ہیں، حضرت والا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ اندر محلے میں ان کے گھر کا زنان خانہ کہاں واقع ہے۔ چونکہ شروع ہی سے مردانہ میں ٹھہرے ہوئے تھے، غالباً حضرت نے باراتیوں میں سے کسی سے راستہ دریافت کیا ہوگا، جیسے ہی احقر کی نظر حضرت والا پر پڑی اور حضرت والا کی نظر مجھ پر پڑی تو میں دوڑا، حضرت والا نے فرمایا، تنویر احمد خان لاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ! مجھ سے کسی نے کہا تھا کہ تنویر احمد خان کی سہرا بندی ہو رہی ہے اب وہ سہرا باندھ کر دولہا بن کر بارات میں شریک ہوگا۔

الحمدللہ! یہ خبر غلط ثابت ہوئی، احقر نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیسے ہوسکتا تھا میں سہرا باندھتا اور بارات میں جاتا، فرمایا الحمدللہ، مجھ پر اسکا اتنا اثر ہوا کہ برداشت نہ ہوسکا اور بے ساختہ گھر کی طرف چل پڑا کہ خدانخواستہ اگر میں نے تنویر احمد خان کو اس حالت میں پایا تو لوگوں میں جانے سے پہلے ہی اس کا سہرا اتروادونگا۔ اسکے بعد میں اور حضرت والا دونوں دیر ہو جانے کی وجہ سے جلدی جلدی چلے اور جہاں باراتی تھے اُن کے ساتھ بس میں بیٹھ کر نارنول روانہ ہوگئے، محرّم کی ابتدائی تاریخوں میں یہ بارات گئی تھی (۱۹۴۰ء)

نکاح کے وقت بہت عجیب واقعہ پیش آیا، قاضی صاحب جب نکاح پڑھانے لگے تو وہ پچاس ہزار روپے مہر معجل پر قبول کرا رہے تھے حضرت

نے بلا تاخیر فرمایا تنویر میاں ٹھہر جاؤ قبول مت کرنا، تمہیں پتہ بھی ہے مہر معجل کیا ہوتا ہے، کیا تم اس کے لیے تیار ہو کر تم یہ پچاس ہزار ابھی ادا کرو گے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت یہ بزرگوں کا معاملہ ہے اُنہوں نے جو کچھ طے کیا ہے اس پر ہی نکاح ہو رہا ہوگا۔ چنانچہ والدین اور دادا اباجی سے جب پوچھا گیا تو انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا کہ ہمیں نہیں معلوم۔

جب لڑکی والوں سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا کہ آپ لوگ جتنا چاہیں مہر باندھ لیں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں، حضرت نے فرمایا یہ تو درست ہے لیکن ان حضرات نے تو یہ اجازت نہیں دی کہ مہر کی رقم کو معجل باندھا جائے، چنانچہ بہت دیر تک ردو قدح ہوتی رہی اور حضرت والا اس بات پر اڑے رہے کہ مہر معجل پر یہ نکاح نہیں ہوگا۔ جب لڑکی والوں نے یہ دیکھا کہ نکاح اس صورت سے نہیں ہو سکے گا تو اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور عند الطلب مہر پر نکاح ہوگیا۔ اس طریقے سے حضرت نے ایک بہت بڑی مصیبت سے ہمیں بچالیا۔

جب حضرت والا نارنول میں ایک دن قیام فرما کر رخصت ہونے لگے، چونکہ نارنول سے ہی ریل میں سوار ہونا تھا، اس لیے حضرت نے یہ فرمادیا تھا کہ نکاح کے بعد نارنول سے ہی میں واپس ہو جاؤں گا، جب حضرت کو ریل گاڑی میں سوار کرایا گیا تو احقر کے چھوٹے بھائی زبیر احمد خان اور پھوپھی زاد بھائی سخاوت علی خان حضرت کو سوار کرانے گئے، احقر نے ایک بستر جس میں ایک کمبل اور ایک دری تھی، یہ تاکید کردی تھی کہ یہ دو چیزیں حضرت کو ضرور

دے دیں، باوجود بے حد اصرار کے حضرت والا نے قبول نہیں فرمائی اور اسی روئی کی اچکن کے سہارے روانہ ہوگئے۔

احقر جب شادی کے غالباً ایک ماہ بعد حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوا، اُس وقت حضرت والا نے فرمایا بھئی تنویر احمد خان اگر میں تمہارا وہ کمبل اور دری لے لیتا، تو بہت اچھا ہوتا، ہوا یوں کہ میں جب شاہدرہ پہنچا تو معلوم ہوا کہ رات والی گاڑی تو جاچکی ہے، اب جو صبح جائے گی اس میں جانا ہوگا، رات کو بارش ہو رہی تھی، ہوا چل رہی تھی، سردی کی وجہ سے میرا بُرا حال ہوگیا بارش تو بند ہوگئی تھی لیکن سردی میں بے حد اضافہ ہوگیا تھا اور مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرا سارا جسم شل ہوگیا ہے، چنانچہ صبح کے وقت جب مجھ سے سردی برداشت نہ ہو سکی تو میں ہمت کرکے ریلوے کے کوارٹروں کی طرف چلا، وہاں کوئی آدمی ریلوے کوارٹر کے برآمدے میں سو رہا تھا، میں نے اس کو اُٹھایا اور اس سے کہا کہ میں مسافر ہوں، مسافر خانہ میں ٹھہرا ہوا ہوں، سردی مجھے بے حد لگ رہی ہے اور اوڑھنے کے لیے میرے پاس کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر تم مہربانی کرکے آگ جلا دو تو میں آگ تاپ کر اپنے آپ کو گرم کرلوں گا، وہ بیچارہ کوئی بہت اچھا آدمی تھا، اندر سے لکڑیاں لاکر اُس نے آگ جلائی اور میں نے آگ تاپ کر اپنے آپ کو گرم کیا کافی دیر بعد میری طبیعت بحال ہوئی، تنویر احمد خان کبھی کبھی چھوٹوں

کی بات بھی بہت قیمتی ہوتی ہے، بڑوں کو قبول کر لینا چاہیئے، اگر میں تمہارے بھائیوں کی بات مان لیتا تو مجھے یہ تکلیف نہ اُٹھانی پڑتی۔

چھٹا واقعہ

جلال آباد قصبہ میں ایک رئیس محمد اسمٰعیل خان نامی رہا کرتے تھے۔ احقر کبھی کبھی ان کے پاس جا کر بیٹھا کرتا تھا۔ جب دادا ابّا رحمۃ اللہ علیہ جلال آباد تشریف لائے تو انہوں نے اپنے ساتھ کے چند فوجیوں سے احقر کا تعارف کرادیا، جن میں لوہاری کے صوبیدار فقیر محمد خان اور آفتاب احمد خان تھے، جنکے ذریعہ سے جلال آباد کے مقتدر لوگوں کو بھی یہ معلوم ہوا کہ کوئی ایسے خاندان کا لڑکا بھی یہاں زیرِ تعلیم ہے اور حضرت کی خدمت میں رہتا ہے۔

آفتاب احمد خان تو میرے ایک ہم جماعت محمد اسمٰعیل کے والد تھے۔ بعد میں غالبًا انہوں نے پڑھنا چھوڑ دیا تھا، چنانچہ رئیس محمد اسماعیل خان بھی احقر سے بہت محبّت کرنے لگے تھے، ان کی اصل مجلس عشاء کے بعد جمتی تھی۔ بڑا عجیب علم مجلسی رکھتے تھے، بڑے بڑے ادیبوں کی عبارتیں اور اشعار انہیں از بر تھے اور لطائف و واقعات کا تو وہ بذاتِ خود مجموعہ تھے، ہر وقت لوگوں کو ہنساتے رہتے تھے، ایک لڑکی کے علاوہ اُن کے کوئی اولاد نہ تھی، مجھ سے انہوں نے شروع میں یہ فرمایا کہ تم عشاء کے بعد میرے پاس تھوڑی دیر کے لیے بیٹھ جایا کرو تمہیں دیکھ کر مجھے بڑی مسرت اور بے حد خوشی ہوتی ہے۔

شروع شروع میں تو احقر جلد ہی اُٹھ کر گھر واپس لوٹ آتا اس زمانہ میں حضرت والا جہاں اب رہ رہے ہیں اس حویلی کی عجیب ترتیب تھی، صدر دروازہ تو وہیں ہے جہاں آج بھی ہے۔ اس زمانہ میں لکڑی کا دروازہ تھا اب لوہے کا ہے، اور رات کے دربان ایک بڑے میاں عبدالکریم نامی تھے جو کہ بہرے تھے، ساڑھے دس بجے تک وہ دروازہ بند کردیا کرتے تھے، احقر کو اسمٰعیل خان صاحب کی مجلس میں مزہ آنے لگا اور بارہ ایک بجے تک بیٹھنے لگا، لیکن دیر ہونے کی صورت میں احقر دروازہ نہیں کھلواتا تھا اور یہ جانتا تھا کہ ان کو جگوانے کا مطلب یہ ہے کہ سارا جلال آباد جاگ جائے گا وہ نہیں جاگیں گے۔

جہاں اب حضرت والا نے مہمان خانہ بنوایا ہوا ہے یہاں ایک شکستہ سا ایک بہت لمبا اصطبل تھا اور اس میں ایک جگہ سے دیوار ٹوٹی ہوئی تھی اور اس میں سوراخ تھا، دیر ہونے کی صورت میں احقر اپنے آپ کو اس سوراخ سے داخل کرتا اور دبے پاؤں اندر آکر اپنے بستر پر سوجاتا، ایک دن نہ جانے حضرت والا کو بذریعہ الہام یا کشف یہ محسوس ہوا کہ تنویر احمد خان اپنے بستر پر نہیں ہے، چنانچہ خلافِ معمول گیارہ بجے کے قریب مکان سے باہر تشریف لائے اور حافظ عبدالرزاق صاحب مرحوم سے احقر کے بارے میں استفسار فرمایا، انہوں نے غالباً یہی کہا ہوگا کہ وہ آج کل بارہ ایک بجے اسمٰعیل خان کے یہاں سے آتے ہیں۔

حضرت والا نے حافظ عبدالرزاق کو یہ ہدایت فرمائی کہ نیچے جاکر زینہ کا دروازہ بند کر کے قفل لگا دو، اور بغیر میری اجازت کے دروازہ مت کھولو. چنانچہ حافظ عبدالرزاق نے حضرت والا کے حکم کے مطابق زینہ کا دروازہ بند کر کے قفل لگا دیا، اور چابی اپنی تحویل میں رکھ لی۔

جب احقر رات کو واپس لوٹا اور زینہ کے دروازے کو ہاتھ لگایا تو معلوم ہو گیا کہ دروازہ بند ہے۔ دونوں کواڑوں کے درمیان سے ہاتھ داخل کر کے ہاتھ سے کنڈی کو دیکھا تو پتہ چلا کہ قفل بھی لگا ہوا ہے۔ دل میں کہا کہ تنویر احمد خان آج تم پکڑے گئے، ظاہر ہے کہ حافظ عبدالرزاق خاں صاحب کو تو نہیں جگایا جا سکتا تھا۔ اس لیے متبادل صورت سوچنے لگا، خیال آیا کہ زینے کے داہنے طرف جو عمارت بنی ہوئی ہے اس میں آخر میں ایک بیت الخلاء ہے۔ جس کی احاطہ کی دیواریں قدِ آدم ہیں اور اسکے اُوپر کوئی چھت وغیرہ نہیں ہے۔

اور اس بیت الخلاء سے متصل وہ دیوار ہے جو حضرت والا کے اوپر کے بالا خانے سے متصل تھی۔ اس پہ آہستہ آہستہ چل کر احقر بالاخانہ پہ پہنچ گیا اور چبوترے پر احقر کا جو بستر بچھا ہوا تھا اس پر لیٹ گیا۔

حضرت والا کا یہ معمول تھا کہ فجر کی اذان سے قبل اُٹھتے تھے اور باہر کے حصّے میں جو بیت الخلاء بنا ہوا ہے اس میں استنجا کےلیے تشریف لے جاتے تھے، ویسے عام طور پر صبح و شام وہی بیت الخلاء

استعمال فرماتے تھے، چنانچہ جب حضرت والا استنجا کے لیے باہر تشریف لائے تو حافظ عبدالرزاق حسبِ معمول کھڑے ہوئے تھے، احقر کو تو رات بھر نیند نہ آئی تھی کہ دیکھئے کیا گذرتی ہے۔

چنانچہ اس وقت احقر دھڑ کھینچے ہوئے چادر اُوڑھے ہوئے لیٹا ہوا تھا، حضرت والا نے احقر کو دیکھتے ہوئے حافظ عبدالرزاق خان صاحب سے فرمایا کہ جب میں نے تمہیں تاکید کردی تھی کہ بغیر مجھے اطلاع کیے دروازہ نہ کھولنا، تم نے دروازہ کیوں کھولا، اُنہوں نے عرض کیا کہ میں نے دروازہ نہیں کھولا اور قفل ابھی تک بدستور لگا ہوا ہے حضرت والا فرمانے لگے تو پھر یہ کیسے اُوپر آگیا، اُنہوں نے عرض کیا یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ۔ البتہ جب میری صبح آنکھ کھُلی تو میں نے دیکھا کہ یہ اپنے بستر پر لیٹے ہوئے ہیں، حضرت والا نے قدرے تبسم فرمایا اور فرمانے لگے کہ عبدالرزاق خان ہم نے سنا ہے کہ عربی مدارس میں بعض جگہ اجنّہ میں سے بھی تعلیم حاصل کرنے آجاتے ہیں، کہیں یہ ان میں سے تو نہیں اور یہ فرماتے ہوئے حضرت استنجا کے لیے تشریف لے گئے لیکن احقر کو حضرت والا نے ایک لفظ بھی نہیں فرمایا۔

ویسے بھی تمام دورانِ تعلیم وتربیت حضرت والا کا احقر کے ساتھ یہ تعلق رہا ہے کہ کسی بات پر بھی کبھی کوئی تنبیہ نہیں فرمائی، البتہ مجلس میں ضمناً ان باتوں کی طرف اشارہ فرما دیتے کہ بعض ایسا کرتے ہیں اور بعض ایسا کرتے ہیں، جس سے احقر متنبہ ہوجایا کرتا، اکثر یہ فرماتے

کہ ہر ایک کو ایک لکڑی نہیں ہانکنا چاہیئے۔ شیخ کو یہ چاہیئے کہ ہر ایک کے ساتھ اُسکی طبعیت اور مزاج کے مطابق سلوک کرے بعضوں کو معمولی اِشارہ ہی کافی ہوتا ہے، بعضوں کو صرف کہنا کافی ہوتا ہے۔ بعضوں کو تاکید کرنا کافی ہوتا ہے، بعضوں کو تنبیہہ کے ساتھ سرزش بھی کرنا پڑتا ہے اور بعضوں کے لیے سزا بھی تجویز کی جاتی ہے

اب ہوا یوں کہ اس دن کے بعد سے احقر نے اسمعٰیل خاں صاحب کے یہاں جانا ترک کر دیا۔ ان سے دن میں جا کر عرض کر دیا کہ رات کے یہاں آکر بیٹھنے کا حضرت والا کو علم ہو چکا ہے اور میرے ساتھ رات کو یہ واقعہ پیش آیا ہے اس لیے اب میں تمہارے یہاں نہیں آؤں گا، دو تین روز ان کے یہاں جانا نہیں ہوا، ایک دن اچانک دیکھا کہ اسمعٰیل خاں صاحب مرحوم درسگاہ میں چلے آرہے ہیں اور نوکر اُن کا حقہ پیچھے پیچھے اُٹھائے ہوئے اُن کے ساتھ ہے۔

حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہوئے، علیک سلیک کے بعد عرض کیا کہ آپ نے تنویر احمد خان کو میرے یہاں آنے سے روک دیا ہے مجھے اس بچے سے بے حد محبّت ہے، اگر میں کسی دن اس کو نہ دیکھوں تو بے چین رہتا ہوں، اسکے آنے سے ہمیں بہت نفع ہوتا ہے اور دین کی بہت ساری باتیں ہمیں معلوم ہو جاتی ہیں، حضرت والا نے فرمایا کہ آپ کو تو دین کا فائدہ ہو رہا ہو گا، اس میں تو شک نہیں لیکن اسکا دین خراب ہو رہا ہے، یہ یہاں پڑھنے کے لیے آیا ہے،

آپ ازراہِ کرم اسکو یہاں پڑھنے دیں اور اسکو اس قسم کی باتوں میں نہ لگائیں، کافی دیر تک سوال جواب ہوتے رہے لیکن اسمٰعیل خان صاحب بضد تھے کہ میں اس کے لیے اجازت لیے بغیر یہاں سے نہیں اُٹھوں گا، حضرت والا نے استحیاءً ان سے ہاں کرلی۔ اور مرحوم خوش ہوکر وہاں سے اُٹھ کر چلے گئے، اس کے بعد حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ تم وہاں نہیں جاؤ گے۔ احقر نے عرض کیا، واہ رے یہ عجیب معاملہ ہے، ایک طرف تو آپ نے ہاں کرلی اور دوسری طرف آپ مجھے منع فرمارہے ہیں، فرمانے لگے کہ یہ یہاں کے مقتدر رئیس اور بڑے حضرت والا جو اس وقت حیات تھے کے مریدوں میں سے ہیں۔

معمر آدمی ہیں، اس لیے مجھے ان سے گفتگو کرنے میں حیا آتی ہے احقر نے عرض کیا کہ بہت اچھا، دو تین روز کے بعد اسمٰعیل خان نے اپنے نوکروں سے پوچھوایا، اب جبکہ حضرت نے اجازت دیدی ہے تم کیوں نہیں آرہے ہو، احقر نے وہ ساری بات اُن کو کہلوادی، جس کے بعد اُنہوں نے یہ کیا کہ اپنے دو نوکر منٹے والی مسجد پر عشاء کے وقت بھیجدیتے تھے، حضرت والا تو فرض پڑھ کر گھر تشریف لیجایا کرتے تھے، اور احقر پوری نماز پڑھ کر باہر نکلتا تھا، جیسے ہی مسجد سے باہر نکلتا وہ دونوں پکڑلیتے تھے اور اسمٰعیل خان کے پاس لے جاتے تھے۔

احقر نے اسمٰعیل خان صاحب مرحوم سے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ براہِ کرم اب یہ نہ کیجئے، ورنہ حضرت والا بہت سخت ناراض ہوجائیں گے

بڑی ردوقدح کے بعد یہ طے پایا کہ دوسرے تیسرے دن تم ضرور یہاں آیا کرو گے، اور زیادہ دیر نہیں صرف آدھا گھنٹہ بیٹھ کر چلے جایا کرو گے۔ چنانچہ احقر نے یہ منظور کرلیا اور جس دن جانا ہوتا ساڑھے نو دس بجے سے پہلے ہی وہاں سے اُٹھ کر آجایا کرتا تھا اس طریقے سے یہ معاملہ چلتا رہا۔ جسکی اطلاع احقر نے حضرت والا کو بھی کر دی تھی کہ اسمٰعیل خان صاحب سے یہ طے ہوگیا ہے۔

حضرت والا نے فرمایا کہ یہاں تک غنیمت ہے، بعد میں چل کر وہ بھی آہستہ آہستہ موقوف ہوگیا۔ یہ سب حضرت والا کی خصوصی توجہ کی برکت تھی۔

ساتواں واقعہ زمانہ طالبِ علمی میں ایک دفعہ احقر نے حضرت والا سے یہ عرض کیا تھا کہ، احقر کو خوابوں کی تعبیر بتانے میں طبعی طور پر مناسبت ہے چنانچہ حضرت والا خطوط کے جوابات لکھتے ہوئے کبھی کبھار کسی خواب کی تعبیر دریافت فرمالیا کرتے تھے اور کبھی اپنی طرف سے تعبیر لکھ کر احقر کو سنا دیا کرتے تھے اور احقر یہ عرض کر دیتا تھا کہ جو آپ نے تعبیر تحریر فرمائی ہے بالکل درست ہے۔

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت والا نے کسی خواب کی کوئی تعبیر تحریر فرمائی، اور احقر کو سنائی، احقر بے خیالی میں بے ساختہ یہ بول پڑا کہ حضرت یہ تعبیر تو بالکل غلط ہے، اس پر حضرت نے فرمایا

کہ کیوں؟ احقر اس پر خاموش ہوگیا۔ اور وہ بات تو اس وقت ختم ہوگئی۔ یہاں تک احقر کو یاد ہے۔ مٹے والی مسجد میں ایک تالاب سا بنا ہوا تھا، جس کے کناروں پر بیٹھ کر لوگ وضو کیا کرتے تھے۔ یہ واقعہ عصر کے وقت کا ہے۔

مغرب کی نماز کے لیے جب وضو کرنے کے لیے وہاں حوض پر بیٹھے، احقر بھی وضو کر رہا تھا اور حضرت والا بھی، اچانک حضرت والا نے جتنے بھی لوگ وضو کر رہے تھے، انکی موجودگی میں باآواز بلند فرمایا کہ تنویر احمد خان میں اسوقت سے اب تک اس تعبیر کے بارے میں سوچ رہا تھا، معلوم یہ ہوا کہ تم نے جو تعبیر بتائی تھی وہ درست ہے، اب میں جا کر اس تعبیر کو کاٹ کر دوسری تعبیر لکھ دونگا، احقر شرم سے پانی پانی ہوگیا اور عرض کیا کہ حضرت مجھے کیوں شرمندہ کیا جا رہا ہے۔ فرمانے لگے اس میں شرمندگی کی کوئی بات نہیں ہے۔ یہ حضرت والا کی بہت بڑی اعلیٰ ظرفی اور چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کی بات ہے، ورنہ ہم کہاں اور حضرت والا کہاں۔

آٹھواں واقعہ

حضرت والا کا یہ معمول تھا کہ اکثر احقر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر گفتگو فرماتے ہوئے مدرسہ تک تشریف لے جاتے تھے اور واپسی میں بھی یہی عمل رہتا تھا، ایک روز اچانک حضرت والا نے فرمایا کہ تنویر احمد خان ابھی تو تمہارا طالبِ علمی کا زمانہ ہے، سب طرف سے خیال ہٹا کر جو کچھ پڑھنا ہے پڑھ لو۔ اور اسی پر اپنی توجہ مرکوز رکھو

رہا سلوک کا معاملہ ۔ یہ تو جب وقت آئے گا چٹکی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، یہ طے کرادوں گا۔

اِس بات کو طالب علمی کے زمانے میں کئی بار اِسی انداز سے دہرایا یہاں تک کہ احقر دارالعلوم دیو بند چلا گیا۔ اور وہاں سے گھر چلا گیا۔ اور پھر حالات کے اُتار چڑھاؤ میں مسلسل گرفتار رہا۔ تا آنکہ پاکستان بن گیا اور احقر پاکستان ہجرت کر کے چلا گیا، کچھ عرصہ بعد حضرت والا کا ایک پوسٹ کارڈ موصول ہوا، جس میں یہ تحریر تھا، احقر فلاں تاریخ کو پاکستان پہنچ رہا ہے اور پیارے میاں مولانا عبدالجلیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد میں قیام ہوگا ، اگر سہولت سے سفر ہو سکے تو وہاں مل لینا۔

احقر اِس عبارت سے یہ سمجھا کہ حضرت والا ہجرت فرما کر پاکستان تشریف لا رہے ہیں۔ یہ خیال ہوا کہ نہ جانے کس بے سروسامانی میں حضرت تشریف لا رہے ہیں ، امّی جان اور بچے بھی ساتھ ہوں گے وغیرہ وغیرہ۔ چنانچہ گھر سے کچھ بسترے ، برتن اور جو کچھ بھی ضرورت کا سامان سمجھ میں آیا وہ باندھا اور لاہور پہنچا۔ جب نیلا گنبد پہنچا تو پھوپھی جان نے فرمایا کہ وہ تو کراچی تشریف لے جا چکے ہیں ، مزید استفسار پر پتہ چلا کہ حضرت والا پاسپورٹ کے ذریعہ سے پاکستان تشریف لائے ہیں ، فی الحال کراچی گئے ہیں ، وہاں سے واپس لاہور تشریف لائیں گے اور اُس کے بعد شاید بنوں بھی تشریف لائیں ، ابھی پروگرام طے نہیں ہوا۔

کھانے پینے کی اشیاء تو پھوپھی جان کے حوالے کر دیں کہ میں کہاں

لے جاؤں گا، آپ استعمال کرلیں گے، باقی جو سامان تھا اُسے واپس بنوں لے گیا۔ اسکے بعد حضرت والا بنوں تشریف لائے، پہلی دوسری مرتبہ تو حضرت والا سے اِس سلسلہ میں کوئی گفتگو نہیں ہوئی، اور نہ یہ بات ذہن میں آئی۔

جب تیسری مرتبہ حضرت والا تشریف لائے تو احقر نے عرض کیا کہ زمانہ طالبِ علمی میں آپ نے مجھ سے یہ فرمایا تھا کہ اب تو تم پڑھ لو، رہا سلوک کا معاملہ وہ تو یوں طے کرا دونگا، چٹکی کا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا، حضرت والا نے کچھ سکوت کے بعد فرمایا، کیا میں نے یہ بات کہی تھی، احقر نے عرض کیا، اور کیا میں نے یہ بات کہی تھی، اُس زمانہ میں احقر حضرت والا سے بہت بے تکلفی سے گفتگو کیا کرتا تھا۔

پھر احقر نے یہ عرض کیا، کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں، یہ بات تو آپ نے ایک مرتبہ نہیں کئی مرتبہ فرمائی تھی، جواب میں حضرت والا نے فرمایا کہ ہاں اُس وقت میں جوان تھا اور مجھ میں ہمت تھی، اب ایسی ہمت نہیں ہے۔ احقر نے عرض کیا یہ تو محض بہانے کی بات ہے ورنہ اِس بات کا جوانی اور بڑھاپے سے کوئی تعلق نہیں۔ حضرت نے فرمایا اچھا خیر، پھر کبھی دیکھا جائے گا، اور احقر خاموش ہوگیا۔

ایک آدھ مرتبہ درمیان میں بھی اس بات کو احقر نے دہرایا، لیکن حضرت والا کسی نہ کسی انداز میں ٹال جاتے تھے، یہاں تک کہ احقر بنوں سے پشاور منتقل ہوگیا۔ اور کافی عرصہ کے بعد حضرت والا پاکستان

تشریف لائے ، اُس زمانہ میں پیارے میاںؒ کا انتقال ہوچکا تھا، مولانا وکیل احمد صاحب ماڈل ٹاؤن کی ایک کوٹھی جسکا نام بیت الاشرف ہے رہتے تھے ، حضرت والا بھی وہاں آکر ٹھہر گئے۔

جیسے ہی احقر کو علم ہوا ، ملاقات کے لیے احقر لاہور پہنچا۔ اُس زمانہ میں احقر پشاور میں مطب کرتا تھا ، خیال یہ تھا کہ ابھی تو جاکر صرف حضرت سے ملاقات کروں گا اور بعد میں حضرت کا پروگرام معلوم ہونے کے بعد دوبارہ حضرت کی خدمت میں حاضری دونگا۔ چنانچہ احقر لاہور پہنچ گیا ، حضرت کی خدمت میں حاضر ہوکر اپنے حالات کا مختصر سا ایک عریضہ جس میں یہ بھی تحریر تھا کہ احقر دو دن قیام کرسکے گا اور اُس کے بعد کل روانہ ہوجائے گا۔ اس کے بعد پھر دوبارہ حاضر ہوکر آپ کی خدمت میں رہے گا۔

چونکہ وہاں جاکر علم ہوگیا تھا کہ حضرت والا کہیں نہیں جائیں گے، لاہور ہی قیام فرمائیں گے۔ دوسرے روز جب حضرت والا سے رخصت ہوکر پشاور روانہ ہونے کے لیے بیٹھا ہوا تھا ، حضرت والا اپنے کمرے سے برآمد ہوئے اور دونوں ہاتھوں میں احقر کا عریضہ لے کر سامنے ہاتھ کرتے ہوئے یہ فرمایا کہ لیجئے۔ احقر نے وہ عریضہ ہاتھ سے لے کر پشاور جانے کے لیے رخصتی مصافحہ کیا ، اجازت چاہی ، حضرت والا نے دعاؤں کے ساتھ رخصت فرمایا۔

اسکے بعد نیچے بیٹھ کر حضرت والا کا مکتوب گرامی کھولا ، اور آگے

پڑھا، جس میں احقر کو اجازت لکھی ہوئی تھی، اور ساتھ ہی یہ بھی تحریر تھا کہ اس سے پہلے بھی آپ کو اجازت دی گئی تھی نہ جانے آپ کو وہ خط ملا ہے یا نہیں (احقر کو وہ خط نہیں ملا تھا) یہ عبارت پڑھ کر احقر کو پسینہ آنا شروع ہوا، بہت دیر تک پسینہ آتا رہا اور کچھ استغراق کی سی کیفیت شروع ہوگئی۔

مولوی عبدالرؤف صاحب، چشتی صاحب اور دیگر حضرات جو وہاں پر موجود تھے اُنہوں نے مجھ سے پُوچھا کیا بات ہے۔ آپ اِس حالت میں کیوں بیٹھے ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ کچھ نہیں، کچھ ایسی ہی بات ہے، میں ایک دفعہ حضرت والا سے مِل لوں، پھر بتاؤں گا۔ چنانچہ احقر نے ملاقات کے لیے حضرت کو اِطلاع کرائی، حضرت والا نے فرمایا کہ ملاقات تو ہو چکی، اب پھر کیوں ملنا چاہتے ہو۔ احقر نے دروازے کے اندر منہ کرکے آواز سے یہ عرض کیا کہ حضرت مجھے خط کے بارے میں کچھ نہیں عرض کرنا، میں یہ جانتا ہوں کہ اس بارے میں گفتگو کرنا گستاخی ہے، میں کچھ اور بات کرنا چاہتا ہوں، فرمایا کہ اچھا آجاؤ۔

کیا بات کرنا چاہتے ہو، احقر نے عرض کیا کہ آپ کی عطا سر آنکھوں پر لیکن میں تو کچھ ہوں نہیں۔ اتنی بڑی بھاری ذمہ داری سے کیسے عہدہ برآ ہوسکوں گا، حضرت والا نے فرمایا پہلی بات تو یہ کہ جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کچھ نہیں، اجازت ایسے ہی حضرات کو دی جایا کرتی ہے۔ رہا عہدہ برآ ہونے کا مسئلہ، تو تم اس جھنجھٹ میں کیوں پڑتے ہو، تمہاری نظر تو اِس پر

ہونی چاہیئے کہ میرے سر پرکس کا ہاتھ ہے۔ جب تک یہ نظر رہے گی انشاء اللہ سب کچھ ہوتا رہے گا۔ جاؤ اپنا کام کرو۔

احقر نے عرض کیا مجھے سب کچھ مل گیا، میں جا رہا ہوں اور یہ کہہ کر حضرت سے رخصت ہو کر باہر نکل آیا۔ گو یہ باتیں بتانے کی نہیں اور نہ ہی اِس سے اپنی کوئی تعلی مقصود ہے۔ بلکہ بتانا یہ ہے کہ وہ چٹکی کے اشارہ سے سلوک طے کرانے کا جو وعدہ کیا تھا، اُسے حضرت والا نے کیسے طے کرایا۔

مختصراً احقر چند باتوں کا حوالہ دے گا، اِن باتوں کے ضمن میں یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ اِس دوران میں احقر جو کچھ بولتا رہا، وہ سب ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب غیر اختیاری ہے۔ باہر نکل کر دوسرے کمرے میں احقر آیا تو اسمیں جو حضرات موجود تھے اُنہوں نے پھر پوچھا کہ ڈاکٹر صاحب کیا معاملہ ہے؟ کیا بات ہے؟ ہمیں بھی تو بتاؤ، احقر نے عرض کیا کچھ نہیں، بس صرف اتنی بات ہے کہ حضرت والا نے اِس گنہ گار کو اجازت مرحمت فرمائی ہے۔ لوگوں نے شور مچایا، مبارک ہو، مبارک ہو، مٹھائی کھلاؤ۔

احقر نے عرض کیا میں تو اب پشاور جا رہا ہوں، آپ لوگ میرا سامان سڑک پر پہنچا دیں اور یہ پیسے لے لیں اور اسکی مٹھائی لے کر آپ لوگ کھالیں۔ معلوم نہیں کتنی رقم تھی جو احقر نے ان کو جیب سے نکال کر پیش کر دی، اُنہوں نے کہا کہ ڈاکٹر صاحب دوپہر کا وقت سڑک

پر اس وقت ٹیکسی یا رکشہ ملے گا نہیں۔ آپ کو زحمت ہو گی۔

احقر نے عرض کیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں سڑک پر جاؤں اور وہاں رکشہ موجود نہ ہو، چنانچہ جب سڑک پر پہنچے تو وہاں ایک خالی رکشہ کھڑا ہوا تھا۔ رکشہ میں سامان رکھا اور احقر اس میں سوار ہو گیا۔ ایک عجیب نشہ کی کیفیت تھی جو احقر پر طاری تھی۔ رکشہ والے نے پوچھا کہ آپ کو کونسی گاڑی سے سوار ہونا ہے، احقر نے کسی گاڑی کا نام لیا، اس نے جواب میں کہا کہ وہ گاڑی تو جب میں شہر سے ماڈل ٹاؤن کی طرف آرہا تھا تو باہر کے سگنل پر کھڑی ہوئی تھی۔ وہ گاڑی اب آپ کو کہاں ملے گی، وہ تو جا چکی ہو گی۔

احقر نے جواب میں کہا، جب تک میں نہیں پہنچوں گا، گاڑی وہیں سگنل پر کھڑی رہے گی۔ تم اس غم میں مت پڑو۔ چنانچہ جب اسٹیشن پہنچے تو پتہ چلا کہ گاڑی ابھی سگنل پر ہی کھڑی ہوئی ہے اور پلیٹ فارم پر نہیں ہے۔

راستہ میں رکشہ والے کو ٹریفک کے کسی قانون کی خلاف ورزی پر ٹریفک کے سپاہی نے رکشہ والے کو روکا۔ احقر نے رکشہ والے سے پوچھا کیا بات ہے کیوں رکے ہو۔ رکشہ والے نے کہا کہ سپاہی نے روکا ہے۔ اتنی دیر میں وہ سپاہی رکشہ کے قریب آگیا، احقر نے سپاہی کو ڈانٹا اور یہ کہا پیچھے ہٹ جاؤ اور رکشہ والے سے کہا کہ تم چلو، سپاہی ڈر کر پیچھے ہٹ گیا اور رکشہ والا روانہ ہو گیا۔

اسٹیشن پر رکشہ والا حیران تھا، کہ صاحب،کمال ہے۔ گاڑی تو ابھی تک وہیں کھڑی ہوئی ہے۔ حضرت والا کے ہندوستان تشریف لے جانے کے بعد احقر کسی کام سے اپنے چھوٹے بھائی زبیر احمد کے پاس سرگودھا گیا۔ مولانا نجم الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولوی عبدالرؤف صاحب اور دیگر حضرات وہاں موجود تھے۔

ان کو جب احقر کی آمد کا علم ہوا، ملنے کے لیے تشریف لائے۔ ملاقات کے دوران ہی ایک صاحب جو کالج میں پروفیسر تھے۔ دلدار حسین، وہ اپنے بچّہ کو لے کر آئے تھے جو پولیو کا مریض تھا اور ایک ہاتھ اور ایک پاؤں سے معذور تھا، اُنہوں نے یہ فرمایا کہ میرا بچّہ پولیو کا مریض ہے۔ آپ اس پر دم کردیں۔ احقر نے عرض کیا کہ پولیو کا مرض تو لاعلاج ہے، اِس پر دم کرانے سے کیا فائدہ ہوگا۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں ایک بزرگ کو دیکھا تھا۔ اُنہوں نے یہ بشارت دی تھی کہ ایک بزرگ سرگودھا میں آرہے ہیں اور وہ اِس قسم کے ہوں گے، تم ان سے اپنے بچّہ کو دم کرالینا۔ تمہارا بچّہ ٹھیک ہو جائے گا۔ احقر نے عرض کیا کہ ٹھیک ہے۔ آپ جانیں اور خواب جانیں میں دم کیے دیتا ہوں۔ چنانچہ احقر نے کچھ پڑھ کر اِس بچّہ پر دم کردیا، وہ اُس بچّہ کو لے کر چلے گئے، مولوی عبدالرؤف صاحب نے شام کی دعوت اپنے یہاں کی تھی، جب احقر وہاں پہنچا تو وہ گھر پر موجود نہیں تھے، البتہ پروفیسر دلدار حسین وہاں کھڑے ہوئے تھے اور وہ بھی قریب

کے مکان میں رہتے تھے۔

انہوں نے دوڑ کر احقر سے سلام و مصافحہ کیا اور یہ فرمایا کہ عبدالرؤف صاحب ابھی آنیوالے ہیں اس وقت تک آپ میرے یہاں تشریف رکھیں آپ کی بڑی عنایت ہوگی۔ احقر نے اس بچہ کے بارے میں دریافت کیا کہ اسکا کیا حال ہے۔ اُنہوں نے فرمایا کہ حضرت ہم اِس بچہ کی کی وجہ سے بہت پریشان ہیں۔ وہ بالکل ٹھیک ہوگیاہے اور اب اُس نے اُچھلنا کوُدنا، دیواروں اور درختوں پر چڑھنا شروع کردیاہے وہ دیکھئے سامنے درخت پر چڑھاہوا، ہمیں ہر لمحہ یہ ڈر لگا رہتاہے کہ کہیں گر نہ پڑے، ہمارا تو اس نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ خُدا کا شکر ادا کریں آپ، کا بچہ ٹھیک ہوگیا۔ گھبرائیے نہیں وہ کہیں سے نہیں گرے گا۔

اِس قسم کے بیسیوں واقعات مسلسل احقر کو پیش آتے رہے یہ سارے واقعات اور روئیدادیں احقر حضرت والا کو لکھتا رہا۔ دس دس گیارہ گیارہ صفحات کے خطوط ہوتے تھے، جواب میں سب کے آخر میں ایک جملہ لکھا ہوا آتا تھا "کہ یہ سب مقامات عروجیہ ہیں"

اِسی طریقہ سے مسلسل سلسلہ چلتا رہا۔ یہ تو آج بھی نہیں پتہ کہ وہ حالت کیا تھی؟ کیا نہیں؟ لیکن اتنا ضرور عرض کروں گا کہ وہ کچھ تھا، اور جو کچھ بھی تھا وہ حضرت والا کی نظرِ کرم اور خصوصی تصرف کا کرشمہ تھا کہ حضرت والا نے یہ بتا دیا، کہ یوں چٹکلے میں طے کرانا کیا ہوتا ہے؟

نواں واقعہ حضرت والا اوپر بالا خانہ پر قیام پذیر تھے، گھر کا پانی حافظ عبدالرزاق مرحوم نیچے سے گھڑے بھر کر لاکر اور حضرت والا کے رہائشی حصہ میں پہنچایا کرتے تھے، بڑے عجیب خادم تھے۔ اُن کے بعد حضرت والا کو ایسا خادم ابھی تک نہیں ملا، گھر کا پورا کام کاج، سودا سلف لانا، دیگر باتوں کا خیال رکھنا، یہ سب کچھ ان کے ذمہ تھا۔ اس وقت جتنے بھی مہمان آتے تھے خواہ وہ کتنے ہی ہوں حضرت والا اپنے پاس سے اُن کو کھانا کھلاتے تھے۔

ان سب کو ٹھہرانا، چارپائی بستر سے وغیرہ کا بندوبست کرنا یہ سب کچھ ان کے ذمہ تھا۔ ایک مرتبہ حافظ عبدالرزاق خاں حضرت والا کے یہاں سے چلے گئے، یہ تو آج تک معلوم نہیں بات کیا تھی، حضرت والا نے اُن کو نکالا تھا یا وہ خود ہی چلے گئے تھے۔ لیکن اُن کی غیر حاضری میں حضرت کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ وہ کہاں گئے ہیں، چونکہ وہ اپنے گاؤں بھیسانی تو گئے نہیں تھے، کسی نامعلوم جگہ چلے گئے تھے۔

گھر کا اور باہر کا سارا نظام درہم برہم تھا۔ احقر سے حتی الامکان جو کچھ ہو رہا تھا، کر رہا تھا، لیکن وہ کچھ نہیں کر پا رہا تھا جو وہ کرتے تھے۔ کبھی کبھی حضرت والا ان کے یوں چلے جانے کا اظہار فرماتے تھے کہ عجیب آدمی ہیں۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ کہاں چلے گئے۔ کچھ دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ وہ شاملی میں ہیں۔

حضرت والا نے احقر سے فرمایا کہ حافظ عبدالرزاق خاں صاحب کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ شاملی میں ہیں، تنویر احمد خان تم جا کر ان کو لے آؤ۔ احقر نے عرض کیا حضرت آپ جب بھی فرمائیں گے بندہ جانے کو تیار ہے۔ دوسرے روز معلوم ہوا کہ وہ بھیسانی میں آ گئے ہیں۔ حضرت نے یہ فرمایا تنویر احمد خان حافظ عبدالرزاق بھیسانی آ گئے ہیں تم جا کر ان کو منا کر لے آؤ۔ شاید وہ روٹھ گئے ہیں، اور ان سے یہ کہنا کوئی بات نہیں واپس آ جاؤ۔

الغرض احقر بھیسانی گیا اور حافظ عبدالرزاق خاں صاحب سے ملا اور حضرت کا پیغام ان کو دیا اور اپنے لہجہ اور زبان میں ان سے یہ کہا کہ بس اب تم عورتوں والے نخرے مت کرو۔ اٹھ کر میرے ساتھ فوراً چل پڑو۔ امی جان اور حضرت والا تمہارے لیے بہت پریشان ہیں۔

حافظ عبدالرزاق آبدیدہ ہو گئے اور پھر رونے لگے، بغیر کچھ بولے چالے سسکیاں بھرتے ہوئے ساتھ ہو لئے۔ حضرت والا نے صرف اتنا فرمایا، آ گئے حضور، اس پر وہ پھر رونے لگے۔ حضرت نے فرمایا اچھا اچھا جاؤ اور اپنا کام شروع کرو۔ کوئی تنبیہ و تہدید کی بات نہیں فرمائی۔ ایسا عجیب کریمانہ انداز حضرت کا تھا۔

دسواں واقعہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ بھیسانی کے کچھ لوگ پیدل اور گھوڑوں پر سوار ہو کر حضرت کی خدمت میں

حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا کہ ہمارے گھر سے پانچ ہزار روپے کی چوری ہوگئی، آپ چور کو معلوم کرکے بتائیے کہ وہ کون چور ہے جس نے یہ چوری کی ہے۔ ہمارے گھر والوں میں سے ہی ہے باہر کا کوئی نہیں، حضرت نے فرمایا مجھے علم غیب نہیں اور نہ مجھے کوئی ایسا عمل آتا ہے جس کے ذریعے سے معلوم ہوسکے، شاید کوئی ایسا عمل جانتا ہو تو اُس کے پاس چلے جاؤ۔

وہ لوگ دیہاتی ہونے کی وجہ سے بضد تھے، نہیں حضرت جی آپ ضرور بتائیں گے، آپ کو معلوم ہے، حضرت نے فرمایا یہ محض تمہارا خیال ہے مجھے کچھ معلوم نہیں، بہت دیر تک اُن سے اِسی قسم کی گفتگو ہوتی رہی نہ جانے حضرت کو اس وقت کیا سوجھی ایک طالبِ علم کو ساتھ کرکے حضرت والا نے فرمایا کہ ان کو تنویر احمد خان کے پاس لے جاؤ وہ ان کو بتادیں گے کہ کون چور ہے۔

احقر اس وقت حضرت والا کے مکان پر موجود تھا اور سو رہا تھا۔ اچانک شور ہوا اور وہ سارے دیہاتی دندناتے ہوئے میرے پاس آگئے، میں نے ان سے پوچھا بھئی کیا بات ہے، تم لوگ میرے پاس کیوں آئے ہو، انہوں نے کہا کہ ہمیں حضرت جی نے بھیجا ہے، آپ ہمارا چور پکڑ دیں۔ اور وہ سب کچھ واقعہ انہوں نے مجھ سے بیان کیا۔

احقر نے بہت حیرت کے ساتھ اُس طالبِ علم سے یہ پوچھا کہ کیا

حضرت والانے ان لوگوں کو میرے پاس بھیجا ہے، اُس نے اثبات میں جواب دیا، یہ حضرت والا کی توجہ اور تصرف سمجھیئے کہ بار بار حیرت سے پوچھنے کے بعد اچانک ایک ترکیب ذہن میں آئی اور اُن سے کہا گیا کہ حضرت جی نے میرے پاس تمہیں بھیج تو دیا، لیکن میرے پاس جو عمل ہے وہ تو بہت خطرناک ہے اور وہ تعویذ میں چولہے کی گرم راکھ میں دباتا ہوں، جس سے چور کا پیشاب بند ہو جاتا ہے۔

جس شخص نے مجھے یہ عمل بتایا تھا اُس کا انتقال ہو چکا اُنہوں نے مجھے پیشاب کھولنا بتایا نہیں کہ کیسے کھُلے گا۔ اِس لیے میں اِس عمل کو نہیں کرتا کہ خواہ مخواہ ایک آدمی کی جان جائے گی وہ تڑپ تڑپ کر مرے گا اور اُس کا وبال میرے سر پڑے گا۔ وہ سب شور مچا کر کہنے لگے "مرے سو ہرا مرے"، اسکی یہی سزا ہونی چاہیئے، آئندہ تو کوئی چوری نہیں کرے گا۔ میں نے کہا سوچ لو، تمہارے گھر کا معاملہ، آدمی تمہارا ہی ہے، مریگا بھی تو تمہارا آدمی مریگا۔ اُنہوں نے کہا بس جی ہما منظور ہے مرنے دو سوہرے کو تم ہمارے ساتھ چلو، انہوں نے احقر کو گھوڑے پر بٹھایا اور بھیسان لے گئے اور اپنی چوپال میں لے جاکر بٹھلا دیا، سارے گاؤں میں شور مچ گیا کہ ایک عامل صاحب آئے ہیں ابھی چور کا پیشاب بند ہوگا اور وہ تڑپ تڑپ کر مرے گا

احقر نے ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور اسے اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے لوگوں سے کہا کہ دیکھو اب بھی وقت ہے سوچ لو اور تم ایسا کرو

کہ جس کمرے کے صندوق سے وہ روپے گئے ہیں تمام گھر والوں کو باہر نکال کر باری باری سے سب کو ایک مرتبہ اس کمرہ میں بھیجو، اس کے بعد میرے پاس آنا، انہوں نے اس پر عمل کیا اور تھوڑی دیر میں شور مچا کہ وہ روپے اس صندوق کے برابر میں پڑے ہوئے ہیں اور وہ مل گئے۔

اگرچہ وہ دیہاتی حضرات اس کے بعد بھی یہ کہہ رہے تھے کہ اجی اس کا پیشاب ضرور بند کرو۔ مگر احقر نے ان سے کہا تم عجیب احمق ہو مال تو تمہارا تمہیں مل گیا۔ اب کیوں کسی کا پیشاب بند کراتے ہو؟ الغرض خوشی خوشی انہوں نے گھوڑے پر مجھے بٹھا کر جلال آباد واپس کر دیا یہ ساری ترکیب اور عمل محض حضرت والا کا تصرف تھا، ورنہ احقر کے وہم و گمان میں بھی ایسی بات کبھی نہ تھی۔

دوسرے روز وہ بہت ساری مٹھائی لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درس گاہ میں لاکر حضرت کے سامنے رکھدی، حضرت نے ان سے پوچھا یہ کیسی مٹھائی ہے اِس پر انہوں نے کہا کہ یہ ہمارے چوری والے روپے ملنے کی خوشی میں ہے۔ حضرت نے اس مٹھائی کو لینے سے انکار فرمایا اور یہ فرمایا کہ اس مٹھائی کی کوئی ضرورت نہیں اسے لیجا کر اپنے بچوں کو کھلادو۔

احقر نے عرض کیا کہ حضرت یہاں بھی تو یہ سارے بچے ہی ہیں، مدرسے کے طالبِ علموں کو تقسیم کرادی جائے، جس کو حضرت نے قبول فرماتے

ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ طلبہ میں تقسیم کرا دی جائے۔

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

حضرت والا کے اخلاقِ حمیدہ

وہ معمولات، عادات اور اخلاق جو زمانۂ طالب علمی میں دیکھے گئے یہ ہیں۔ حضرت والا ابتداء ہی سے نہایت حلیم الطبع، متین، بردبار، منکسر المزاج، باوقار تھے، بڑی سے بڑی بات پر بھی کبھی غصہ نہیں فرماتے تھے، درگذر اور عفو کا مادہ بے انتہا تھا۔ کسی کو بلاواسطہ مخاطب ہو کر تنبیہ نہیں فرماتے تھے۔

تنبیہ کا انداز عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں اور ایسا کرتے ہیں، وغیرہ وغیرہ، احقر نے ابتدائی زمانہ سے آج تک کبھی بھی حضرت والا کو معمولی آواز سے بھی ہنستے ہوئے نہیں دیکھا، بہت ہوا تو معمولی سا تبسم فرمالیتے، نہایت لطیف المزاج، لطافت اور نظافت کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے، خوش پوشاک تھے، سادہ خوراک عادتاً ایک سالن ہی استعمال فرماتے تھے، رفتار میں سبک رفتاری تھی، کبھی سست رفتاری اور ڈھیلے قدم سے نہیں چلے۔

جب کبھی تھانہ بھون ساتھ جانا ہوتا تھا تو کہیں کہیں احقر کو حضرت کے ساتھ رہنے کے لیے دوڑنا پڑتا تھا، کہیں بے خیالی میں پیچھے رہ گیا تو دوڑ کر حضرت کے ساتھ ہونا پڑتا تھا، نہایت باحیا اور تقویٰ کے کوہ گراں، زندگی بھر کوئی بات حضرت والا کی تقویٰ یا سنت کے خلاف

نہیں دیکھی، طبعی طور پر آپ مستغنی المزاج تھے، استغناء اِس درجہ کا تھا کہ جب تک کسی سے بے تکلفی نہ ہو ہدیہ قبول کرنے سے حیا فرماتے تھے۔

شروع میں حضرت والا کو تقریر کرنے سے حیا آتی تھی مجلس میں تو فرما دیا کرتے تھے، لیکن جلسوں میں وعظ یا تقریر نہیں فرمایا کرتے تھے، اِس کام کے لیے مولانا عابد حسین صاحب مرحوم مقرّر تھے، تقسیم ہند کے بعد ایک مرتبہ جب حضرت والا پاکستان تشریف لائے تو اُس وقت حضرت والا نے یہ فرمایا کہ تنویر احمد خاں میرے ساتھ یہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

میں مولانا عابد حسین صاحب مرحوم وغیرہ کے ساتھ مدراس گیا ہوا تھا، وہاں بہت بڑا جلسہ تھا، کثیر مجمع تھا مجھ سے کہا گیا کہ کچھ تبرّکاً دو چار باتیں آپ بھی فرما دیجئے، میں نے عذر پیش کیا کہ میں تو ایسے مجمعوں میں بولتا نہیں، لوگوں نے اصرار کیا، یہاں تک کہ لاؤڈ اسپیکر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اور یہ سوچ کر کے کچھ تھوڑے بہت الفاظ ادا کر کے واپس اُٹھ آؤں گا، میں نے خطبہ پڑھا، پھر ایک آیت پڑھی، اس کا ترجمہ بیان کیا اور پھر کچھ اسکی تشریح اور تفسیر میں چلا گیا اور پھر تنویر احمد خاں ایسا ہوا کہ میں مسلسل چار گھنٹے تک بولتا رہا اور مجھے پتہ ہی نہ چلا، اب اسکے بعد سے ایسا ہو گیا ہے کہ میں بولنے لگا ہوں۔

پھر ایک مرتبہ حضرت نے اپنا ایک اور واقعہ تعجب کے ساتھ بیان فرمایا، کہ میں فرانس گیا ہوا تھا، اور وہاں کی جامع مسجد میں نماز

پڑھنے کے لیے گیا، تو وہاں کچھ تبلیغ والے لوگ آئے ہوئے تھے اُن لوگوں نے مجھ سے کچھ بیان کرنے کے لیے کہا۔ جواب میں میں نے کہا کہ یہاں عام طور پر دو زبانیں سمجھی جاتی ہیں، یا تو انگریزی زبان میں تقریر کی جائے یا عربی میں۔

انگریزی تو مجھے آتی نہیں اور عربی میں تقریر کرنے کی عادت نہیں، اس میں بولنے کے لیے مشق کا ہونا ضروری ہے۔ اس پر اُن لوگوں نے یہ کہا، ہم ایک مترجم کھڑا کیے دیتے ہیں۔ آپ اُردو میں بولتے رہیئے وہ مترجم لوگوں کو عربی میں بتاتا رہے گا۔ جب کوئی دوسری صورت نظر نہ آئی تو میں ممبر پر جا کر بیٹھ گیا اور خطبۂ مسنونہ کے بعد کوئی آیت تلاوت کی اور اسکی تشریح میں عربی زبان میں دو چار جملے ادا کرنے شروع کیے۔ مترجم اس انتظار میں تھا کہ یہ اُردو میں بولیں تو میں اِسکو عربی میں لوگوں تک پہنچاؤں

اِس کے بعد کچھ ایسا ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ میں عربی میں بولنا شروع ہو گیا اور تقریباً ½ ۱ گھنٹہ تک عربی میں بولتا رہا۔ اور وہ مترجم میرا منہ تکتا رہا۔ ان کا اِسم گرامی ڈاکٹر حمید اللہ خان ہے۔

حضرت کے معمولات یومیہ آپ کا معمول یہ تھا کہ فجر کی اذان سے تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے استنجاء کے لیے تشریف لاتے تھے اس کے بعد اندر گھر میں اپنے معمولات میں مصروف ہو جاتے تھے۔ ہمیں صرف حضرت کی ذکر کی ضرب تو سنائی دیتی تھی، البتہ آواز

ہم نے نہیں سنی اتنی خفیف آواز ہوتی تھی۔

فجر کی نماز باجماعت مُنّے والی مسجد میں ادا فرماتے تھے، نماز سے واپس آکر گھر تشریف لے جاتے اور معمولات میں مصروف ہوجاتے تھے۔ شروع شروع میں احقر کے ساتھ ناشتہ فرماتے تھے، یوں سمجھ لیجئے کہ معمولات کے بعد ناشتہ فرماتے تھے اور کچھ باتیں گھر کے متعلق حافظ عبدالرزاق کو بتاکر دارالعلوم تشریف لے جاتے۔ آپ کے دستِ مبارک میں ایک چھوٹا سا تولیہ ہوتا تھا۔ جو اس وقت چلتے ہوتے ہمیشہ اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے، کبھی اس میں کچھ خطوط اور ضروری کاغذ لپٹے ہوتے تھے اور کبھی خالی تولیہ ہی ہاتھ میں ہوتا تھا۔ ایک بجے کے قریب وہاں سے واپس تشریف لاتے تھے، کھانا تناول فرماتے، کچھ دیر گھر کے کاموں میں مصروف ہوجاتے ظہر کی نماز باجماعت منّے والی مسجد میں ادا فرماتے نماز سے واپسی پر گھر تشریف لاتے اور تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ مفتاح العلوم تشریف لیجاتے عصر کی نماز تک مفتاح العلوم میں رہتے اور درس وتدریس وغیرہ میں مصروف رہتے۔

عصر کی نماز مفتاح العلوم سے ملحقہ مسجد میں ادا فرماتے وہاں سے تشریف لاکر گھر تشریف لے جاتے تھے۔ دو چار منٹ بعد باہر تشریف لاکر چارپائی پر بیٹھ جاتے طلبا اور جو لوگ موجود ہوتے تھے وہ بھی دوسری چارپائیوں پر اور حضرت والا کی چارپائی پر بیٹھ جاتے۔ اس میں مغرب تک حضرت والا مجلس اور کبھی خطوط کے جوابات میں مصروف رہتے۔

مغرب کی نماز منے والی مسجد میں ادا فرماتے آکر رات کا کھانا تناول فرماتے تھے ۔ اس کے بعد تھوڑی دیر کے لیئے لیٹ جاتے تھے ، مغرب کے بعد لیٹنے کی حضرت والا کی شروع سے ہی عادت ہے ۔ اسکے بعد عشاء کی نماز منے والی مسجد میں ادا فرماتے تھے ، عشاء کے فوراً بعد گھر میں تشریف لے جاتے تھے ۔ کچھ تھوڑی دیر مطالعہ کرنے کے بعد حضرت والا کو جو کتابیں صبح پڑھانی ہوتیں ان کا مطالعہ فرماتے اور اس کے بعد سو جاتے ۔

ٹھنڈا پانی آپ کو بہت پسند تھا ، اس زمانہ میں حضرت نے ایک تھرموس رکھی ہوئی تھی اس میں برف کٹوا کر بھر والیا کرتے تھے اور جب کبھی پانی پیتے تو یہ فرمایا کرتے ، تنویر احمد خان پہلے تھوڑے سے پانی سے کٹورہ ٹھنڈا کرلو ، پھر اس میں پانی ڈال کر برف ڈالو اور ٹھنڈا ہونے پر مجھے دیدو ۔

پرندوں کا گوشت حضرت کو بہت مرغوب ہے لیکن اس کے لیے کبھی تجسّس نہیں فرمایا ۔ کبھی اتفاق سے میسّر آگیا تو رغبت سے تناول فرماتے ، زندگی بھر کبھی تیز آواز سے چیختے ہوئے یا بات کرتے ہوئے احقر نے نہیں دیکھا ۔

جب کبھی کوئی حضرت والا سے کسی بات پر معافی مانگتا تو خود محجوب ہو جایا کرتے تھے ۔ اکثر ہفتہ میں ایک بار جمعہ کے دن لباس تبدیل فرمایا کرتے تھے ۔ رات سوتے وقت کپڑے بدل لیا کرتے تھے اور ہفتہ میں ایک بار خط بنواتے تھے ۔

حضرت کے معمولاتِ سفر سفر میں یہ معمول تھا۔ ایک مرتبہ حضرت والا نے احقر سے یہ فرمایا کہ تنویر احمد خان جب کبھی سفر میں جانا ہو تو اپنی تمام عادتیں اور سہولیات گھر پر چھوڑ جایا کرو۔ اور یہ سمجھ لیا کرو کہ اب جو کچھ بھی پیش آئے گا وہ خلاف عادت وطبیعت ہوگا۔ ایسا کرنے میں بڑی راحت رہتی ہے، دورانِ سفر باوجود اصرار کے حضرت والا کوئی چیز کھاتے پیتے نہیں تھے، ایک مرتبہ احقر نے بہت اصرار کیا حضرت مسلسل انکار فرماتے رہے۔ احقر نے جب وجہ پوچھی فرمانے لگے، اب تو یہ عادت بن ہی گئی ہے۔

اور فرمایا کہ اس کا اِدّعا ایسے شروع ہوا، مجھے خیال آیا کہ اگر کچھ کھایا پیا تو پیشاب پاخانہ کی بھی ضرورت پیش آئے گی۔ نہ جانے کیسی جگہ ہو، کیا حالت ہو، اس لئے بہتر یہی ہے کہ کچھ کھایا پیا ہی نہ جائے، تاکہ پاخانہ پیشاب کی ضرورت نہ پڑے۔

سفر میں بھی ہمیشہ جماعت کا اہتمام فرماتے تھے، علاوہ ٹرین میں سفر کے، دورانِ سفر میں کہیں بھی قیام فرماتے تھے تو نماز باجماعت سنتوں اور نوافل کے ساتھ ادا فرماتے۔

دورانِ درس حضرت والا اکثر درمیان میں ہمیں کچھ نصائح بھی فرمایا کرتے اور تربیت کی باتیں بھی بتایا کرتے تھے، صبح اُٹھ کر ورزش کرنے کی شروع سے عادت تھی، اگرچہ اب وہ بڑھاپے میں متروک ہوگئی ہے۔ زمانہ طالبعلمی میں حضرت والا فنون سپہ گری میں شریک ہوا کرتے

تھے۔ لکڑی، گتکہ، لٹھ وغیرہ ہمارے ساتھ کھیل لیا کرتے تھے اور ہمیں اُستادِ فنِ سپہ گری کے علاوہ حضرت خود بھی تعلیم دیدیا کرتے تھے، جسم میں بلا کی پھرتی تھی، نہایت برق رفتاری سے پینترے استعمال کیا کرتے تھے۔

کبھی کبھار تفریح کے لیے طلبہ کے ساتھ ندی پر تشریف لے جایا کرتے تھے، حضرت کا سفر کے دوران یہ بھی معمول ہے کہ سفر میں لباس تبدیل نہیں فرماتے ہیں چاہے وہ میلا ہی کیوں نہ ہو۔ نیز ایک معمول یہ ہے کہ سفر کے آغاز میں سامان کی نگہداشت بڑی احتیاط سے فرماتے تھے، اگر بہت لمبا سفر ہو تب تو حضرت گن کر ان کی تفصیل کسی جگہ تحریر بھی فرمالیتے ورنہ یہ کہ بار بار عدد کا گنوانا اور ان عدد کی طرف سے مطمئن ہونا پھر گاڑی میں سوار ہونے کے بعد دوبارہ ان کو گنوانا اور تسلی کرنا اور پھر یہ بھی پوچھنا کہ کون سے عدد کس کی تحویل میں ہیں۔ جب تک پوری طرح اطمینان نہیں فرمالیتے، اُس وقت تک استفسار فرماتے رہتے، ٹکٹ وغیرہ کا بھی معلوم کرتے کہ کس کی تحویل میں ہیں، پھر اس سے دریافت فرماتے کہاں رکھے ہوئے ہیں۔ دیکھو پھر وہ نکال کر دکھاتا، اطمینان فرمانے کے بعد اس سے فرماتے کہ اچھا رکھ لو، اسکے بعد یہ بھی دریافت فرماتے کیا وہ ٹکٹ تم نے احتیاط سے رکھ لیے ہیں۔ الغرض، ہر بات میں جب تک پوری تسلی نہیں فرمالیتے پوچھتے رہتے تھے اور یہ بھی درمیان میں فرماتے کہ مجھے وہمی مت سمجھنا، کہیں یہ نہ سمجھنے لگو کہ بوڑھا ہو کر وہمی ہو

گیا ہوں ۔ آج کل کے بے فکرے نوجوانوں کے ساتھ سفر کرنے میں احتیاط کا تقاضا ہے کہ ہر بات کے لیے پوری تسلی کر لی جائے ۔

حضرت کی کرامات

پہلا واقعہ ایک مرتبہ حضرت والا پاکستان تشریف لائے ، غالباً یہ تیسری مرتبہ آنا ہوا تھا ، احقر کو یہ لکھا کہ اس مرتبہ بنوں کا ویزا نہیں ہے ۔ اس لیے تم بسہولت اگر ہو سکے تو مجھ سے "دینہ" آکر مل لو ، میں فلاں تاریخ کو "دینہ" پہنچ رہا ہوں ، چنانچہ احقر بنوں سے بذریعہ بس راولپنڈی پہنچا اور وہاں سے بذریعہ بس دینہ پہنچا

دینہ جاکر یہ معلوم ہوا کہ حضرت والا ابھی تشریف نہیں لائے ہیں اور غالباً سرگودھا میں ہیں اور وہاں سے منڈی بہاؤ الدین ہوتے ہوئے دینہ پہنچیں گے ۔ یہ تعین نہیں کہ کب پہنچیں گے ۔ انتظار ہے پھر پتہ چلا کہ حضرت منڈی بہاؤ الدین پہنچ چکے ہیں ، احقر وہاں سے روانہ ہو کر منڈی بہاؤ الدین پہنچا ، رات عشاء کے بعد کا وقت تھا ۔ وہاں صوفی محمد اسمٰعیل صاحب بیٹھے ہوئے رو رہے تھے ۔ پوچھنے پر اُنہوں نے بتایا کہ میں حضرت کو روانہ کر کے آیا ہوں ۔ حضرت کو روانہ ہوئے دو گھنٹہ ہو چکے ہیں ۔

اُنہوں نے مجھ سے اصرار فرمایا کہ رات یہیں آرام کر لو ، تھکے ہوئے ہو میرا دل بھی بہل جائے گا ۔ صبح یہاں سے روانہ ہو جانا ، مگر احقر کو قرار کہاں

میں نے ان سے دریافت کیا، کیا اسوقت یہاں سے دینہ کے لیے کوئی گاڑی جائے گی۔ انہوں نے فرمایا ہاں ایک گاڑی رات ۱۲ بجے یہاں سے دینہ کے لیے روانہ ہوگی۔ چنانچہ احقر اسٹیشن پہنچ کر ریل میں سوار ہوگیا۔

اور فجر کی نماز سے قبل دینہ اسٹیشن پہنچ گیا۔ احقر ابھی تک پورے سفر میں سویا نہیں، اور منڈی بہاؤ الدین سے دینہ تک بھی اس لیے نہیں سویا کہ اگر سوگیا اور آنکھ نہ کھلی تو نہ جانے کہاں پہنچ جاؤں گا۔ چنانچہ یہ سوچا کہ ابھی حضرت نماز کے معمولات میں مصروف رہیں گے اس کے بعد ناشتہ فرمائیں گے، اسوقت تک کے لیے تھکا ہوا ہونے کی وجہ سے اور نیند کے غلبہ کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے اسٹیشن کی بینچ پر سو جاؤں۔

نماز فجر ادا کرنے کے بعد احقر بینچ پر پڑ کر سو گیا اور اپنا سامان سرہانے رکھ لیا۔ تھوڑی دیر ہوئی تھی احقر کو سوئے ہوئے، احقر کو محسوس ہوا کہ کوئی جگا رہا ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھا تو مولوی سلیم اللہ خان کھڑے ہوتے تھے اور وہ احقر کو جگا رہے ہیں۔ انہیں دیکھ کر مجھے بے حد تعجب ہوا کہ یہ یہاں، کہاں سے پہنچ گئے، پھر یہ خیال آیا کہ شاید یہ بھی اسی گاڑی سے اُترے ہوں گے، اور یہیں کہیں اسٹیشن پر ہوں گے۔

چنانچہ احقر نے اُن سے پوچھا کہ آپ کہاں سے آرہے ہیں اور مجھ تک کیسے پہنچے تو اُنہوں نے فرمایا میں حضرت جی کے ساتھ سفر میں ہوں، حضرت جی نے فرمایا سلیم اللہ تم جاؤ اور دیکھو وہ ہمارا قطب کہیں اسٹیشن پر سو رہا ہوگا، اُسکو یہاں لے آؤ، مجھے بڑا تعجب ہوا، میں نے پھر پوچھا، کیا

واقعی نہیں حضرت نے یہ کہا ہے۔ اور تم ان کے کہنے پر ہی مجھے یہاں لینے آئے ہو، جی ہاں مجھ سے تو حضرت نے یہی فرمایا تھا یہ حضرت والا کی کرامت تھی کہ انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ میں اس وقت اسٹیشن پر لیٹا ہوا ہوں۔

میں اٹھ کر ان کے ساتھ ہولیا اور صوفی نور محمد تمباکو والوں کے یہاں پہنچ گیا، حضرت والا کے پاس کچھ آدمی بیٹھے ہوئے تھے، احقر کو دیکھ کر فرمایا یہی ہیں وہ صاحب جن کے بارے میں آپ لوگوں سے میں باتیں کر رہا تھا، اُٹھ کر بڑے محبت کیساتھ حضرت والا نے معانقہ فرمایا اور بیٹھ گئے، احقر بھی بیٹھ گیا۔

یہ تو میرے بارے میں حضرت کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ میں پہلے دبنہ اور پھر دینہ سے منڈی بہاؤ الدین پہنچ چکا ہوں۔ فرمانے لگے تم نے میرے لیے سفر کی بے حد صعوبت اُٹھائی ہے اور ابھی تک مسلسل سفر کرتے رہے۔ بہت تھک گئے ہو گے، تھوڑی دیر آرام کر لو، احقر نے عرض کیا کہ حضرت آپ کو دیکھ کر ساری تھکاوٹ دور ہو گئی۔

احقر نے عرض کیا کہ میں حضرت کو بنوں لیجانے کے لیے حاضر ہوا ہوں، فرمانے لگے بنوں کا ویزا تو ہے نہیں، پھر جانا کیسے ہو گا۔ احقر نے عرض کیا کہ اسکی پرواہ نہ کیجئے۔ میرے وہاں کے حکام سے تعلقات ہیں۔ میں وہاں جا کر آپ کے لیے اجازت لے لوں گا۔ فرمایا کہ میری عادت تو نہیں کہ میں کسی جگہ کے قانون کی خلاف ورزی کروں، لیکن میں تمہاری محبت

کی وجہ سے بلا ویزے کے بھی تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہوں۔

اِس سفر میں ہندوستان سے مولوی سلیم اللہ کے چھوٹے بھائی مولوی عبدالقیوم صاحب ساتھ تھے۔ غالباً اسی وجہ سے مولوی سلیم اللہ صاحب بھی سفر میں کسی جگہ حضرت والا کے ساتھ ہو گئے تھے۔ رمضان کا مہینہ تھا روزے رکھے جا رہے تھے۔ حضرت والا نے دوسرے روز ساتھ چلنے کا وعدہ فرمالیا۔

اِس روز جمعہ تھا اس وجہ سے سفر نہیں کرسکے۔ دوسرے روز دوپہر کے وقت حضرت وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اور روزہ افطاری سے کچھ قبل راولپنڈی پہنچ گئے۔ سامان ایک مسجد میں جا کر رکھا اور احقر نے عرض کیا کہ حضرت آپ یہاں تشریف رکھیں میں افطاری وغیرہ کا بندوبست کر کے حاضر ہوتا ہوں، حضرت نے فرمایا مناسب ہے

باہر نکل کر احقر نے پھل اور دوسری چیزیں کھانا وغیرہ خریدا اور وہ لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ روزہ افطاری کے بعد وہاں مسجد میں مغرب کی نماز ادا فرمائی، اسکے بعد وہاں بیٹھ کر کھانا کھایا اور حضرت والا معمول کے مطابق آرام کے لیے لیٹ گئے۔

اِسی دوران ایک شخص آیا اور اُنہوں نے یہ کہا کہ مسافروں کو یہاں مسجد میں ٹھہرنے کی اجازت نہیں ہے آپ لوگ اپنا کوئی بندوبست کریں اور یہاں سے تشریف لے جائیں، احقر نے حضرت کو اطلاع دی کہ یہ لوگ ایسا کہہ رہے ہیں، اگر اجازت ہو تو کسی ہوٹل میں ٹھہرنے کا

بندوبست کرلیں ۔ حضرت نے صرف ہوں" فرمایا اور ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جسکا مطلب یہ تھاکہ یہ لوگ جو کچھ کہہ رہے ہیں کہنے دو، پھر دوسری مرتبہ موذن صاحب آئے اور انہوں نے پھر یہ کہا۔ اسوقت بھی حضرت والانے بڑی شان استغنا سے ہوں فرمایا اور اسی انداز سے ہاتھ سے اشارہ فرمایا وہ موذن بھی چلا گیا۔ آخر میں امام صاحب تشریف لائے، اب احقر کو گھبراہٹ شروع ہوئی کہ نہ جانے اب یہ کیا سلوک کریں گے احقر نے حضرت کے کان میں عرض کیا کہ امام صاحب ہم لوگوں کو یہاں سے نکالنے کے لئے تشریف لا رہے ہیں۔

حضرت نے فرمایا رات تو یہیں آرام کریں گے، تم مجھے تھوڑی دیر آرام کرنے دو۔ اتنی دیر میں امام صاحب تشریف لے آئے جیسے ہی انہوں نے حضرت والا کو دیکھا وہ حضرت کے پیر دبانے بیٹھ گیا حضرت نے اُس کو منع بھی نہیں کیا۔ تھوڑی دیر پیر دبانے کے بعد اُس نے احقر سے پوچھا کہ آپ لوگوں کو رات کو یہیں ٹھہرنا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ کہنے لگا آپ لوگوں کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ میں نے کہا نہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں۔

کہنے لگا کہ آپ لوگ آرام فرمائیں اگر کسی چیز کی ضرورت یا تکلیف ہو تو مجھ سے بلا تکلف فرمادیں۔ اس دوران حضرت والا مسلسل آرام فرماتے رہے اور اُس سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ خاموشی سے اُٹھ کر چلا گیا۔

تراویح کے بعد وہیں بستر وغیرہ بچھا کر ہم سو گئے۔ صبح اُٹھ کر سحری وغیرہ کھائی، تہجد پڑھ کر فجر کی نماز ادا کی، پھر وہاں سے روانہ ہو کر بنوں جانے والی سرکاری بس میں سوار ہو گئے، بنوں پہنچ کر تیسرے روز حضرت والا نے پوچھا کہ تنویر احمد خان تم نے ہمارے یہاں قیام کی اجازت لے لی ہے یا نہیں؟ احقر نے عرض کیا کہ ابھی تو لی نہیں، کچھ ایسے ہی ضروری کاموں میں اور بھاگ دوڑ میں لگا ہوا ہوں، آج انشاء اللہ تعالیٰ جاؤں گا۔

حضرت نے فرمایا کہ پہلے یہ کام کر لو، تاکہ اطمینان ہو جائے۔ چنانچہ احقر حضرت والا اور مولوی عبدالقیوم صاحب کا پاسپورٹ لے کر ڈپٹی کمشنر کے پاس گیا اور اُن سے عرض کیا کہ میرے مرشد صاحب قبلہ بنوں تشریف لائے ہیں اور اُن کے پاس بنوں کا ویزا نہیں ہے آپ ان کو پندرہ دن ٹھہرنے کی اجازت دے دیجئے۔ اُنہوں نے پوچھا کہ ابھی وہ کہاں ہیں۔ میں نے کہا وہ میرے گھر پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ کہنے لگا کہ قانون شکنی تو آپ پہلے کر چکے ہیں۔ اب مجھ سے کیا اجازت لے رہے ہیں۔ میں نے کہا میرے آپ کے تعلقات پُرانے ہیں اسی تعلق کی بناء پر میں اُن کو یہاں لے آیا ہوں۔ وہ تھوڑا سا مسکرایا اور کہا کہ مجھے یہ قانون یاد نہیں۔ آپ پاسپورٹ کے ہیڈ کلرک کو بلا لاؤ۔ اس سے دریافت کروں گا کہ یہ کام ہو سکتا ہے یا نہیں۔ چنانچہ احقر کو یہ فکر لاحق ہوئی کہ خدانخواستہ کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ اس حالت میں

ڈپٹی کمشنر کو اجازت دینے کا اختیار ہی نہ ہو۔

چنانچہ ہیڈ کلرک صاحب آتے اور انہوں نے ڈی سی صاحب کو کہا کہ ان کو یہ کرنا چاہیئے تھا، ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ یوں نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ ڈی سی نے تحکمانہ انداز میں اس سے کہا کہ یہ تمام فضول باتیں چھوڑ دو، تم یہ بتاؤ کہ مجھے یہ اختیار ہے یا نہیں۔ کہ میں انہیں یہاں ٹھہرنے کی اجازت دے سکوں، اُس نے کہا، جی ہاں آپ کو اختیار ہے۔ اس نے کہا بس بات ختم ہو گئی ہے۔ ان کو پندرہ دن کی اجازت دے کر مجھ سے دستخط کراؤ۔ چنانچہ پندرہ دن کی اجازت بسہولت مل گئی۔ احقر نے خدا کا شکر ادا کیا اور حضرت والا کی خدمت میں وہ پاسپورٹ اور ویزا جس پہ اجازت درج کر دی گئی تھی۔ پیش کر دیا۔

حضرت نے روانگی کے وقت یہ فرمایا کہ کل اتوار ہے، سب دفتروں کی چھٹی ہے اگر ہماری پیر کی روانگی آج درج کر لی جائے تو آج ہم یہاں سے پشاور روانہ ہو کر پشاور بھی دیکھ لیں گے اور دوسرے دن ایبٹ آباد جا کر اُس کو بھی دیکھ آئیں گے۔ تیسرے دن وہاں سے لاہور کے لیے روانہ ہو جائیں گے۔ چنانچہ حضرت کی برکت سے وہ کام بھی ہو گیا اور ایس پی کے دفتر میں ہفتہ کے روز پیر کی روانگی لکھوا دی گئی۔ یہ سب کچھ حضرت والا کی کرامت اور آپ کے تصرف کا ثمرہ تھا۔

دوسرا واقعہ ۱۹۶۷ء میں احقر پہلی مرتبہ حج کے لیے روانہ ہوا۔ پہلے سے یہ سننے میں آ رہا تھا کہ شاید ہندوستان سے

حضرت والا بھی حج کے لیے تشریف لے جائیں گے۔ احقر یہ سوچ رہا تھا کہ اگر حضرت والا بھی تشریف لے آئے تو بہت ہی خوب ہوگا، حضرت والا سے ملاقات بھی ہو جائے گی اور حج بھی ہو جائے گا۔ آخری پرواز سے احقر پاکستان سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ پہنچ گیا۔ وہاں جا کر ایک مکان میں قیام کیا اور حضرت والا کے بارے میں معلوم کرنا شروع کیا۔

دوسرے روز حاجی فاروق صاحب سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی یہ فرمایا کہ آنا تو ہے حضرت والا کو، لیکن ابھی تک تشریف لائے نہیں۔ تیسرے روز احقر ظہر کی نماز کے لیے حرم شریف جا رہا تھا اچانک خیال آیا کہ مولانا فقیر محمدؐ صاحب مدظلہ العالی مکہ معظمہ میں ہی ہوں گے۔ اگر ان سے ملاقات ہو جائے تو شاید حضرت والا کے بارے میں کچھ معلوم ہو جائے۔ سامنے نظر جو اُٹھائی تو دیکھا کہ مولانا فقیر محمدؐ صاحب احرام باندھے ہوئے مجمع سے نکلتے ہوئے آ رہے ہیں۔ بیحد محبت کے ساتھ احقر سے معانقہ کیا، خیریت دریافت کی اور یہ فرمایا کہ تمہارے شیخ آج آئے گا۔ اور وہ ایک افریقی ہوٹل میں ٹھہرے گا۔

میں نے مولانا مدظلہ العالی سے ان کی اپنی رہائش کے بارے میں پتہ دریافت کیا تو فرمایا کہ ہمارا کوئی ٹھکانا نہیں، تم ہمارا چھوڑو ہم تم سے ملتا رہے گا، ابھی تم نماز کو چلو، اس کے بعد نہ جانے وہ کہاں غائب ہو گئے، احقر حرم شریف چلا گیا، نماز ظہر ادا کرنے کے بعد احقر محلہ جیاد حاجی فاروق صاحب سے ملنے گیا۔

معلوم ہوا کہ حضرت والا تشریف لے آئے ہیں۔ ان کی جگہ پر حاجی محمّد اقبال صاحب موجود تھے جو گجرات کے رہنے والے ہیں. گجراتی انداز میں ہی گفتگو کرتے ہیں۔ احقر نے جب حضرت والا کا پتہ پوچھا تو انہوں نے کہا کہ غزا مارکیٹ کے شروع میں ہی ایک میمس ہوٹل ہے اس میں حضرت ٹھہرے ہوئے ہیں، احقر نے وہاں پہنچ کر دو چار آدمیوں سے معلوم کیا سب نے لاعلم جواب دیا حتیٰ یہ کہ جب اس ہوٹل کے نیچے پہنچ کر لوگوں سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی لاعلم کہدیا۔

احقر بڑا پریشان تھا ہوٹل تو اس جگہ پر جو بتائی گئی ہے یہی ایک ہوٹل ہے۔ اتفاق سے نظر اوپر اُٹھائی تو اس ہوٹل کا نام انگریزی میں میمش ہوٹل لکھا ہوا تھا۔ اس کو پڑھ کر احقر اندر چلا گیا، اور وہاں انتظامیہ والوں سے پوچھا، انہوں نے بتلایا کہ حضرت پہلی منزل کے فلاں کمرے میں ٹھہرے ہوئے ہیں۔

احقر پہلی منزل پر گیا تو دیکھا کہ ایک استقبالیہ کمرہ ہے، اس کے بعد دوسرا رہائشی کمرہ ہے۔ جس میں حضرت والا تشریف فرما ہیں۔ اور بھی بہت سے آدمی وہاں پر موجود تھے اور حضرت والا کا بیان جاری تھا، ساتھ میں بھائی جان بھی تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ احقر خاموشی سے پیچھے مجلس میں بیٹھ گیا۔ جب بیان ختم ہوا تو اس کے بعد احقر نے حضرت والا سے ملاقات کی۔

حضرت والا نے بھی مل کر خوشی کا اظہار کیا۔ احقر مغرب تک حضرت والا کے ساتھ رہا اور عصر و مغرب کی نماز حضرت والا کے ساتھ حرم شریف میں ادا کی۔ مغرب کے بعد جب احقر نے اجازت چاہی، فرمایا کہ تھوڑا اور ٹھہر جاؤ، کھانا آنے والا ہے۔ اب کھانا کھا کر ہی جانا، احقر نے حضرت کے ساتھ ہی کھانا کھایا اور اپنے آنے جانے کے بارے میں حضرت والا سے دریافت کیا۔ فرمانے لگے کوئی پابندی نہیں ہے، جب جی چاہا کرے آجایا کرو۔

حضرت نے کچھ اپنے ہضم کے بارے میں فرمایا۔ ہاضمہ صحیح نہیں ہے کھانا وغیرہ صحیح ہضم نہیں ہوتا۔ احقر نے عرض کیا کہ میرے پاس کوٹے کز (دوا کا نام) دلیہ ہے۔ بہت زود ہضم ہوتا ہے کل سے میں اسے دودھ میں بنالایا کروں گا، آپ اسے کھا لیا کریں۔

دوسرے روز جب ناشتہ کے بعد احقر ہوٹل پہنچا تو دیکھا کہ بڑے زور و شور سے مجلس جاری ہے اور مولانا ابرار الحق صاحب بھی حضرت والا کے برابر میں بیٹھے ہوتے ہیں۔ احقر بھی جا کر مجلس میں شریک ہو گیا تھوڑی دیر میں دیکھا کہ حافظ جبیب احمد صاحب نقشبندی چپ کوالی اپنے مخصوص لباس، عمامہ اور عصا کے ساتھ تشریف لائے ہیں۔ اس وقت چونکہ کمرہ بھر چکا تھا اس لیے وہ جہاں لوگوں کی جوتیاں نکلی ہوئی تھیں، اسی جگہ پر بیٹھ گئے۔

حضرت والا نے دورانِ بیان یک قدرے توقف فرمایا، مولانا

ابرارالحق صاحب نے حضرت والا کے کان کے قریب منہ لے جاکر کچھ کہا اِس پر حضرت والا نے فرمایا کہ احقر ان حضرت سے واقف نہیں، اب آپ کے بتانے پر معلوم ہوا اسلئے بندہ اب ان سے یہ عرض کر رہا ہے کہ وہ یہاں میرے پاس تشریف لے آئیں۔

حافظ حبیب احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ حضرت مجھے یہیں سامنے بیٹھا رہنے دیجئے جو کچھ آپ کے فیوض و انوار کا سامنے سے مجھے نفع پہنچ رہا ہے۔ وہ آپکے برابر بیٹھنے سے نہیں پہنچے گا۔ حضرت والا نے اپنے مخصوص انداز میں یہ فرمایا بہت اچھا اور بیان شروع کر دیا۔ دو ڈھائی گھنٹہ تک مسلسل بیان ہوتا رہا۔ مجلس ختم ہوئی۔ حافظ حبیب احمد نے حضرت سے مصافحہ کیا، کچھ دیر گفتگو کی اور اجازت لے کر تشریف لے گئے۔

پھر مولانا فقیر محمد صاحب تشریف لے آئے اور وہ بھی تھوڑی دیر مل کر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد احقر، بھائی جان، حاجی فاروق صاحب اور ایک آدھ کوئی افریقی موجود رہے، اور حضرت والا سے باتیں کرتے رہے۔ ایک روز احقر نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو تو بندہ میقات پر جا کر احرام باندھ کر عمرہ ادا کرے۔ حضرت والا نے فرمایا کیوں کیا ضرورت ہے، عمرہ ادا کرنے کی؟ کیا اس سے پہلے عمرہ نہیں کر لیا۔ احقر نے عرض کیا کہ وہ تو حج سے متعلق عمرہ تھا جو ادا کر لیا گیا ہے، فرمایا کہ پھر اب کیا ضرورت ہے۔ لوگوں کو یہ معلوم ہی نہیں۔ لوگ عمرہ کو عبادت تصور کرتے ہیں، حالانکہ عمرہ مستقل طور پر کوئی

عبادت نہیں بلکہ حج کا ایک جزو ہے۔ اس سے کہیں زیادہ ثواب طواف کا ہے۔ سو خانہ کعبہ موجود ہے اور تم بھی یہاں ہو جب چاہو طواف کرلیا کرو۔ احقر نے عرض کیا کہ بہت اچھا۔

قصہ مختصر حج ادا ہوگیا۔ حضرت والا منیٰ سے تشریف لے آئے، احقر بھی مکہ معظمہ واپس آگیا، منیٰ، مزدلفہ، عرفات ان مقامات میں علیحدہ رہے اور ہم علیحدہ رہے۔ اسکے بعد مکہ معظمہ میں پھر ملاقات ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت والا واپس جانے کی تیاری فرما رہے ہیں اور اپنا پاسپورٹ وغیرہ دیگر ان کو یہ ہدایت دے رہے تھے کہ جہاں تک ہوسکے، بلیس دسمبر سے پہلے پہلے نشست مخصوص کرالینا۔

وہ حضرت کا پاسپورٹ اور ٹکٹ لے کر جدہ چلے گئے، اسکے بعد حضرت والا نے احقر سے مخاطب ہوکر کہا تنویر احمد خان حج ادا کرلیا جواب میں عرض کیا، جی ہاں حضرت حج تو ادا کرلیا ہے اللہ تعالیٰ قبول کرنے والے ہیں۔ فرمانے لگے کہ اب تم بھی پاکستان واپس چلے جاؤ، فالتو ٹھہرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ عرض کیا حضرت میں پہلی مرتبہ حج کے لیے حاضر ہوا ہوں اور میری واپسی کے لیے ابھی ڈیڑھ مہینہ باقی ہے۔ یہاں خانہ کعبہ میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب کے برابر ملتا ہے۔

فرمانے لگے ہاں یہ تو ٹھیک ہے لیکن ثواب کے مقابلے میں تھوڑی غلطی ہونے پر لاکھ گناہ بھی ہوتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہٗ حج کے تین دن کے بعد دُرّہ لے کر نکلتے تھے اور مکہ معظمہ سے لوگوں کو نکالتے،

حج کرلیا اب یہاں سے نکلو۔ احقر خاموش ہو رہا اور کوئی جواب نہیں دیا۔ حضرت والا بھی خاموش ہو گئے۔ شام کو جدّہ سے ٹیلی فون آیا کر ۲۰ر دسمبر سے پہلے کوئی نشست نہیں مل رہی۔ البتہ ۲۰ر تاریخ کو مل رہی ہے اگر اجازت ہو تو ۲۰ر تاریخ کی نشست مخصوص کرا لی جائے، حضرت والا نے فرمایا ٹھیک ۲۰ر تاریخ کی لے لو۔ اسکے بعد فرمایا کر میں کل طواف وداع ادا کر کے مدینہ منورہ چلا جاؤں گا اور وہاں سے انشاء اللہ ۱۹ر کو جدّہ پہنچ جاؤں گا۔ دوسرے روز حضرت والا نے طوافِ وداع فرمایا، احقر بھی ہمراہ تھا اور دو افریقی اور ایک بھائی جان موجود تھے۔ ہم نے حضرت والا کو اپنے ہاتھوں کے حصار اور حلقہ میں لے کر طواف کرایا۔

چونکہ حضرت والا یہ فرماتے تھے کہ طواف کے دوران میرا جسم کسی سے نہ ٹکرائے طواف کے بعد حضرت والا دعا وغیرہ پڑھ کر واپس ہو گئے اور مدینہ منورہ روانہ ہو گئے اور چلتے ہوتے بھی یہ ہدایت فرمائی کہ تنویر احمد خان اگر ہو سکے تو تم بھی پاکستان واپس چلے جاؤ، احقر کے یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی تھی کہ یہاں سے اتنی جلدی جانے پر کیوں اصرار کیا جا رہا ہے اور کیوں تاکید فرمائی جا رہی ہے، جس کا عقدہ بعد میں کھلا۔

۱۸ر تاریخ کو میں حاجی فاروق صاحب سے ملا اور ان سے دریافت کیا کہ کیا وہ حضرت والا سے ملاقات کے لیے جدّہ جائیں گے، انہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ چلنے کے اوقات وغیرہ اور معیت کے بارے میں

پوچھا تو یہ فرمایا جیسے آپ کی سہولت ہو آپ چلے جائیں اور جیسی ہم کو سہولت ہوگی ہم پہنچ جائیں گے ۔ وہاں پہنچ کر انشاء اللہ ملاقات ہوگی ۔

۱۹ر تاریخ کو فجر کی نماز پڑھ کر احقر حرم شریف سے باہر نکلا تو مکّہ معظمہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر جو حضرت کی خدمت میں اکثر آیا کرتے تھے وہ ملے اور انہوں نے یہ پوچھا کر کیا آپ آج جدّہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا جی ہاں ۔ انہوں نے کہا میرے پاس اپنی ذاتی کار ہے میں اس میں جدّہ جاؤں گا۔ کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ کار میں تشریف لے چلیں ۔

احقر نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے ان کی معیت کو قبول کرلیا۔ مزید احقر نے ان سے پوچھا کر کیا آپکے ساتھ کوئی اور بھی جا رہا ہے ۔ انہوں نے نفی میں جواب دیا ۔ احقر نے عرض کیا کہ اگر تکلیف نہ ہو تو میں اپنا تمام سامان وغیرہ باندھ کر آپکی ڈکّی میں رکھ دوں تاکہ مدینہ منورہ جانے کیلئے احقر ہلکا پھلکا ہو جاتے اور سامان سے فارغ ہو جاتے ۔ یہ سامان احقر جدّہ میں منصور احمد صاحب کے مکان میں رکھ دے گا جن سے پہلے ملاقات ہو چکی تھی اور ان کا مکان دیکھا ہوا تھا ۔

انہوں نے احقر کی اس بات کو بھی خوشی سے قبول فرمالیا چنانچہ احقر نے اپنا تمام سامان ، زمزم اور کھجوریں وغیرہ باندھ کر تھوڑا بہت ضروری سامان رکھا ، باقی سب منصور احمد جان کے مکان پر پہنچا دیا کہ جب میں پاکستان جاؤں گا تو آپکے یہاں سے یہ سب سامان

لے لوں گا۔ وہیں پر یہ اطلاع مل گئی کہ حضرت والا مدینہ منورہ سے تشریف لے آئے ہیں

احقر حضرت والا کی خدمت میں پہنچ گیا۔ حضرت والا نے بے ساختہ فرمایا، میں تم لوگوں کا شدت سے انتظار کر رہا تھا۔ الحمدللہ تعالیٰ آپ لوگ آ گئے، دیکھ کر مسرت ہوئی، مغرب کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ سامان کے عدد بہت ہو گئے ہیں اس سے طبیعت کو وحشت ہو رہی ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ عشاء کی نماز کے بعد اس سارے سامان کو کھول کر دوبارہ ترتیب دوں گا۔ حضرت والا نماز عشاء کے بعد سہارے سے نیم دراز ہونے کی حالت میں تشریف فرما تھے، احقر نے عرض کیا کہ آپ آرام فرمائیں، میں اور بھائی جان وغیرہ اس سامان کو درست کر دیں گے۔

حضرت نے فرمایا کہ میں بھی یہیں رہوں گا اور دیکھتا رہوں گا کہ آپ لوگ کس طرح کام کر رہے ہیں۔ چنانچہ ہم سامان باندھنے میں لگے رہے اور تقریباً ایک بجے تک فارغ ہوئے۔ حضرت والا بھی اس وقت تک لیٹے ہوئے جاگ رہے تھے۔ میں نے آہستہ سے بھائی جان سے کہا کہ حضرت والا تو سو گئے ہیں ان کو اب نہ جگایا جائے اور رات بہت ہو گئی ہے۔ اب میں چل رہا ہوں۔ صبح فجر میں حاضر ہونگا اچانک حضرت والا نے فرمایا کہ میں سو نہیں رہا ہوں جاگ رہا ہوں اور اب تک آپ لوگوں کی باتیں بھی سنتا رہا ہوں۔

احقر حضرت والا سے رخصت لے کر کر مجر میں حاضر ہوگا منصور احمد صاحب کے مکان پر چلا گیا، صبح جب فجر میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ حضرت والا کی حالت بہت خراب ہے۔ تین چار گرم سوئٹر پہنے ہوئے ہیں اور دو تین گرم موزے پہنے ہوئے ہیں اور کوئی کپڑا بھی اوڑھ رکھا ہے۔ احقر کو بڑی حیرت ہوئی کہ رات کو تو حضرت کو بڑا ٹھیک ٹھاک چھوڑ کر گیا تھا۔ اس تھوڑے سے عرصہ میں اچانک حضرت والا کو کیا ہوگیا۔ بات کچھ سمجھ میں نہیں آرہی۔

اسی حالت میں نماز پڑھی، ناشتہ کی حضرت والا سے درخواست کی گئی تو حضرت والا نے انکار فرما دیا کہ میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے آپ لوگ ناشتہ فرمائیں۔ چنانچہ ہم لوگوں نے ناشتہ کرلیا۔ حضرت والا کو ۹ بجے صبح کی پرواز سے روانہ ہونا تھا اور ایک گھنٹہ پیشتر ایئرپورٹ پر پہنچ گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد چلنے کی تیاری ہوئی اسی دوران میں ایک اور صاحب بھی آگئے جو کسی اخبار میں ملازم تھے۔ حضرت والا سے اُنہوں نے یہ درخواست پیش کی کہ مطار جدید کے سامنے ہی میرا مکان ہے، آپ وہاں چل کر تھوڑی دیر آرام فرمائیں۔ سامان وغیرہ مطار جدید پر پہنچا دیا جائے گا۔ اور وہاں اُن لوگوں کے حوالہ کردیا جائے گا۔

ہوائی جہاز کی روانگی سے آدھ گھنٹہ قبل آپ کو وہاں پہنچا دیا جائے گا۔ حضرت نے فرمایا یہ تو ٹھیک ہے کہ پہلے جانا چاہیئے۔

لیکن ان صاحب کے یہاں کیوں ٹھہرا جائے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی احقر نے عرض کیا کہ حضرت ان کے یہاں آپ کو بیحد سہولت رہیگی آپ کی طبیت بہت خراب ہے۔ ایئر پورٹ پر آپ کو بیحد تکلیف ہوگی، ان کے یہاں جاتے ہیں ہم آپ کو آخر وقت تک سنبھالتے رہیں گے۔

اسلیئے مناسب یہی ہے کہ آپ سید ھے مکان پر تشریف لے چلیں۔ بھائی جان اور دوسرے افریقی لوگ پاسپورٹ اور ٹکٹ وغیرہ کے ساتھ ایئر پورٹ چلے جائیں گے اور وہاں سب کاموں سے فارغ ہوکر آپ کے پاس آجائیں گے۔ قدرے تامل کے بعد حضرت والانے اسے قبول فرمالیا۔

وہاں جاکر حضرت والا کو ایک جگہ پر لٹا دیا گیا اور ہم لوگ یہ کوشش کر رہے تھے کہ حضرت والا کے جسم میں گرمی آجائے، پھر پھر وہاں ایک اور نئی صورتحال یہ پیدا ہوئی کہ ہر ۱۵۔ ۲۰ منٹ کے بعد حضرت والا کو پیشاب کی حاجت ہورہی تھی اور بار بار پیشاب کے لیے جانا پڑ رہا تھا۔ ایک تو ضعف اور طبیعت کی خرابی دوسرے بار بار پیشاب کی حاجت، حضرت والا کی یہ حالت تھی، کبھی ادھر گر رہے تھے اور کبھی اُدھر گر رہے تھے۔ جسم کسی طریقے سے قابو میں نہیں آرہا تھا۔

احقر نے پرانی بے تکلفی کی بنا پر یہ عرض کیا کہ حضرت کیا بات ہے

آخر کیا ہو رہا ہے آپ کو ، فرمانے لگے ، ویسے تو میں ٹھیک ہوں ، لیکن کسی چیز کا مجھ پر اثر ہو رہا ہے ۔ یہ نہیں بتا رہے تھے کہ کیا چیز ہے ، جسکا اتنی شدت سے اثر ہو رہا ہے ۔ پھر جب حضرت ادھر ادھر گرنے لگے اور نڈھال ہو رہے تھے تو احقر نے پھر عرض کیا کہ کیا بات ہے کہیں جانے کا ارادہ تو نہیں ہے ۔

فرمانے لگے نہیں ابھی تو ارادہ نہیں ہے ۔ احقر نے عرض کیا کیا اس سلسلہ میں آپ کے ارادہ کا کوئی دخل ہے ۔ حضرت والا اس پر خاموش ہو گئے ۔ احقر نے عرض کیا ، چونکہ آپ نے یہ بات فرما ہی دی ہے تو یہ بات معلوم کیئے بغیر کہ اِس ضمن میں آپ کے ارادہ کا کوئی دخل ہے ؟ احقر آپ کی جان چھوڑے گا نہیں ۔ فرمانے لگے کہ دخل تو نہیں ہوتا ۔ لیکن بعض کو اللہ تعالیٰ دخل کا اختیار دیدیا کرتے ہیں ۔ احقر اِس پر مطمئن ہو کر خاموش ہو گیا ۔

پھر ایک مرتبہ پیشاب کر کے آپ تشریف لائے تو فرمانے لگے کہ تنویر احمد خان بہت ہی اچھا ہوا کہ میں یہاں آگیا ۔ ورنہ وہاں تو مجھے بہت تکلیف ہوتی ، کیونکہ یہاں اس کمرے سے متصل ہی بیت الخلا ہے

آدھ گھنٹہ قبل ہم نے حضرت والا کو وہاں سے مطارِ جدید پہنچایا حضرت والا نے ہمیں بہت دعاؤں کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ آپ لوگوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے خریت سلامتی اور عافیت کے ساتھ آپ لوگوں کو وطن پہنچائے ، ہمیں رخصت کیا اور خود بھائی جان کا سہارا لے کر

مطار کے اندرونی حصہ میں تشریف لے گئے اور پھر پلٹ کر حضرت نے اپنے دونوں ہاتھ اُٹھاکر ہمیں سلام کرتے ہوئے پھر رخصت کیا، اس دوران میں حاجی فاروق صاحب اور حاجی محمد اقبال بھی ساتھ میں شریک تھے۔

واپسی میں، میں، حاجی فاروق صاحب اور حاجی محمد اقبال صاحب ہم تینوں سرکاری بس کے اڈے پر حرم شریف روانہ ہونے کے لیے پہنچے۔ وہاں پر ایک بڑا اطلاعی بورڈ لگا ہوا تھا کہ یہاں سے کوئی بس حرم شریف مکہ معظمہ نہیں جائے گی۔ وجہ پوچھی گئی تو کسی نے کچھ نہیں بتایا، اس کے بعد ہم جدہ کے پرائیویٹ بس اڈہ پر پہنچے، احقر نے حضرت کے تشریف لے جانے کے بعد ایک اور یہ حماقت کی کہ اب جدہ تو آہی گیا ہوں، یہاں سے احرام باندھ لوں اور مکہ معظمہ جاکر عمرہ ادا کرلوں گا۔ چنانچہ احقر نے منصور احمد صاحب کے گھر پر غسل کرکے احرام بھی باندھ لیا تھا

یہ خیال بھی آیا کہ حضرت والا نے عمرہ کے لیے منع کیا تھا۔ پھر بھی یہ سوچ کر کہ مکہ معظمہ سے تو اس قصد سے احقر آیا نہیں ہے اس لیے اگر ایسا کرلیا جائے تو کوئی حرج بھی نہیں ہے۔ الغرض جب ہم پرائیوٹ بس اڈے پر پہنچے وہاں بھی کوئی بس جانے والی نہیں تھی بہت پریشانی تھی۔

ادھر ادھر جاکر دیکھ رہے ہیں کہ کہیں سے کوئی بس جا تو نہیں رہی ہے۔ ایک جگہ معلوم ہوا کہ فلاں جگہ ایک بس کھڑی ہوئی ہے

جو مکّہ معظّمہ جانے والی ہے۔ لوگ اس بس کی طرف دوڑ رہے تھے، ہم تینوں بھی جوں توں کر کے بس میں سوار ہو گئے، بس کے چلنے سے پیشتر شرطیوں نے آکر بس کی تلاشی لی، پھر اسکے بعد آدمیوں کی تلاشی لی گئی احقر کی بھی عرب سمجھ کر تلاشی لی گئی، اسکے بعد وہ بس مکّہ معظّمہ کی طرف روانہ ہو گئی۔

ابھی تک کسی شخص نے اشارۃً یا کنایۃً کوئی بات حرم شریف کے بارے میں نہیں کی۔ جب ہم حرم شریف کے قریب پہنچے تو بس ڈرائیور نے اچانک بس کو موڑ کر وقوفِ عرفات پر پہنچا دیا۔ ہم راستے میں چیختے رہے کہاں لے جا رہے ہو۔ وہاں جا کر اس نے ہم سے کہا" انزلوا" ہم بڑے پریشان تھے کہ یا اللہ کیا معاملہ ہے، کیا ماجرا ہے۔ چنانچہ یہ فیصلہ کیا کہ یہاں سے کوئی ٹیکسی کر کے حرم شریف جایا جائے۔

اِس وقت حاجی فاروق صاحب تو محلّہ جیاد میں مقیم تھے اور احقر جیادِ جدید حرم شریف کے سامنے ایک عمارت میں مقیم تھا۔ جب کسی ٹیکسی والے کو حرم شریف چلنے کے لیے کہتے تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے اسکو بجلی کے کرنٹ کا جھٹکا لگا دیا ہے اور وہ کانوں پر ہاتھ رکھ کر لا معافی کہہ کر دوڑ جاتا تھا۔

احقر کے پاس تو کوئی سامان تھا نہیں، البتہ حاجی فاروق صاحب کے پاس کتابوں کا ایک بنڈل تھا۔ مجبوراً یہ فیصلہ کیا گیا کہ حرم شریف تک پیدل چلا جائے۔ کتابوں کا بنڈل بھاری تھا، حاجی محمد اقبال اور حاجی

فاروق کے درمیان رسہ کشی ہو رہی تھی کہ یہ بنڈل کون اُٹھائے۔
حاجی اقبال صاحب نے منع کردیا کہ میں یہ بنڈل نہیں اُٹھاؤں گا۔ اسلئے
کہ میرا اِن کتابوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ حاجی فاروق صاحب نے
کچھ برہمی کا اظہار کرتے ہوئے وہ بنڈل اپنے کندھے پر اُٹھالیا۔ جب کہ
مثل مشہور ہے کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہو تو سفر کرائے اور زیادہ ناراض
ہو تو بوجھ بھی لادھ دے، حاجی فاروق صاحب کا اِس وقت وہ عالم تھا۔

احقر نے ایک دوکاندار کو دیکھا قیافہ سے اندازہ ہوا کہ وہ پاکستانی
ہے۔ اِس سے جاکر معلوم کیا، آخر یہ کیا معاملہ ہے کہ نہ تو بس والا حرم
شریف کے وقوف پر گیا اور نہ ہی ٹیکسی والا کوئی وہاں جانے کو تیار ہے
اِس نے بڑے تعجب کے ساتھ ہمیں دیکھا اور پوچھا کہ آپ لوگ کہاں سے
آرہے ہیں۔ میں نے کہا جدّہ سے، اُس نے کہا آپ لوگوں نے جدّہ میں
کوئی بات نہیں سنی، میں نے کہا نہیں۔

اِس نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کمال ہے آپ لوگوں
کو کسی نے کچھ نہیں بتایا؟ میں نے کہا نہیں، کسی نے کچھ نہیں بتایا۔ اس نے
سڑک کی طرف اشارہ کرتے ہوتے کہا کہ یہ فوجی گاڑیاں اور فوجی لوگ جا
رہے ہیں۔ یہ سب لوگ حرم کی طرف جا رہے ہیں۔ آج فجر کی نماز کے
بعد باغیوں نے حرم شریف پر قبضہ کرلیا ہے اور انہوں نے دو چار آدمیوں
کو مار بھی ڈالا ہے اور بہت سے لوگوں کو یرغمال بنا رکھا ہے۔ یہ سارے
فوجی لوگ حرم شریف کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں، اور مزید فوج برابر آرہی

ہے ان کی مدد کے لیے۔

حرم شریف کوئی گاڑی آپ کو لے کر نہیں جائے گی۔ اگر آپ حرم شریف کے کہیں قریب رہتے ہیں تو فوجی آپ لوگوں کو وہاں تک نہیں جانے دیں گے۔ اور اگر آپ لوگ باہر کے حصے میں رہتے ہیں تو شاید آپ اپنی جگہ پر پہنچ سکیں۔

چنانچہ یہ معلوم ہونے کے بعد یہ تو ذہن نشین ہو گیا کہ حرم شریف تک پیدل ہی چلنا ہے۔ چنانچہ ہم لوگ وہاں سے پیدل ہی چل پڑے، جب ہم حرم شریف سے دو فرلانگ کے فاصلے پر پہنچے تو وہاں پر لوگوں کا ازدحام تھا۔

اور فوجی ان کو روکے ہوئے تھے کہ وہ آگے نہ بڑھیں۔ ہم نے جب اُن سے کہا کہ ہمیں جیاد جانا ہے تو انہوں نے کہا کہ آپ وہاں جا نہیں سکتے۔ حرم شریف کے قریب سے بار بار گولی چلنے کی آواز آرہی تھی اب آکر یہ احساس ہوا کہ حضرت والا کی طبیعت کیوں خراب ہو گئی تھی اور ہمیں یہاں سے جلدی بھگانے کی کوشش کیوں فرما رہے تھے اور خود بھی جلدی جانے کی کیوں کوشش کی، حتیٰ کہ ۲۰ تاریخ کا تعین بھی حضرت والا نے پہلے ہی سے کر دیا تھا کہ ۲۰ تاریخ سے پہلے کی سیٹ بک ہونی چاہیئے۔ اور مجبوراً ۲۰ تاریخ کی سیٹ قبول فرمائی۔

وہ دن ۲۰ تاریخ کا تھا جسکی صبح فجر کے بعد باغیوں نے حرم شریف پر قبضہ کیا تھا۔ حضرت والا اس روز ہندوستان تشریف

لے جا چکے تھے اور اب ہم یہاں کس مپرسی کے عالم میں کھڑے ہوئے تھے کہ کہاں جائیں گے، کہاں رہیں گے، کیسے کھائیں گے اور کیسے پیئں گے

مکّہ معظّمہ کے تمام بازار اور تمام دوکانیں بند تھیں، حاجی فاروق صاحب نے فرمایا کہ مولانا فقیر محمد صاحب غزا سے باہر ایک مکان میں رہتے ہیں۔ وہاں چل کر دیکھا جائے کہ وہاں حضرت موجود ہیں یا نہیں ۔ اگر مولانا صاحب مل گئے تو ہمیں ٹھہرنے کا ٹھکانہ مل جائے گا۔ چنانچہ وہاں اُس مکان پر ہم پہنچے، تو نیچے ایک قفل دروازے پر لگا ہوا تھا۔ ہم نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھی۔ یہ جو کچھ سہارا تھوڑا بہت ذہن میں آیا تھا، یہ بھی گیا۔

پھر احقر کو خیال آیا گھنٹی بجا کر دیکھوں شاید حضرت والا اس میں موجود ہوں۔ چنانچہ گھنٹی بجائی، تھوڑی دیر کے بعد اُوپر سے ایک صاحب نے جھانک کر دیکھا وہ ہمیں جانتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سے کچھ دریافت کرنے کے بعد اُوپر سے چابی پھینک دی اور یہ فرمایا کہ دروازہ کھول کر اندر آجاؤ، اور بڑے دروازے کی کھڑکی کھول لو اور پھر واپس باہر کا قفل لگا کر کھڑکی سے اندر داخل ہوکر کنڈی لگالو چنانچہ ہم نے ایسا ہی کیا۔

اُوپر بالا خانہ پر مولانا فقیر محمد صاحب کی خدمت میں پہنچے، اور انکو سلام کیا۔ حضرت نے جیسے ہی احقر کو دیکھا تو بڑی زور سے ہنسے اور فرمانے لگے کہ تمہارا شیخ نے تم کو منع کیا تھا پھر تم کو کس احمق نے کہا کہ تم احرام

باندھ کر یہاں آؤ۔ اب تم اِس احرام میں بیٹھے رہو تمہارا عمرہ نہیں ہو سکتا۔ شیخ کی بات نہ ماننے پر ایسی ہی سزا ملتا ہے۔

احقر بیحد پشیمان تھا کہ میں نے ایک اور مصیبت اپنے سر پر ڈال لی۔ حضرت والا کی ساری باتوں کی حقیقت یہاں آکر منکشف ہوئی۔ یہ حضرات بھی عجیب ہیں کہ صاف طور پر تو کسی کو بتاتے نہیں اور دوسرے طریقہ سے ان سب باتوں کو ظاہر کر دیتے ہیں، جن کو ہم عقل کے کورے سمجھ نہیں پاتے اور ان باتوں کو غیر اہم سمجھ کر ان پر عمل نہیں کرتے، اور بعد میں پھر پریشانی اور مصائب کا شکار ہوتے ہیں۔

دو روز تک مولانا فقیر محمد صاحب کے ساتھ قیام کیا۔ باغیوں کے بارے میں مولانا فقیر محمد صاحب سے اکثر گفتگو ہوتی رہتی تھی۔ دوسرے روز فجر کے بعد جب حضرت مولانا فقیر محمد صاحب سے گفتگو ہو رہی تھی تو احقر نے ان سے پوچھا کہ یہ جو کچھ کہا جا رہا ہے کہ اس میں امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ کیا حقیقت میں یہ بات درست ہے؟

فرمانے لگے نہیں ایسا کوئی بات نہیں، میں آج بھی اُن سے مل کر آیا ہوں۔ احقر اچانک چونک پڑا اور پوچھا کہ کونسے راستے سے آپ ان سے ملنے گئے تھے۔ مولانا اِس پر خاموش ہو گئے۔ لیکن احقر نے ان کی جان نہیں چھوڑی اور ان سے عرض کیا کہ میں بے حد تکلیف میں ہوں۔ احرام کی حالت میں یہاں پڑا ہوں، میرا سارا ضرورت کا سامان، پان وغیرہ سب کچھ میری جگہ پر ہیں۔ مجھے ان چیزوں کے

بغیر تکلیف ہو رہی ہے۔

آپ کو اگر کوئی ایسا راستہ معلوم ہے تو خدا کے لیے مجھے بھی بتا دیجئے، تھوڑا سا مسکرائے اور فرمانے لگے کہ نہیں کوئی راستہ نہیں ہاں مجھ کو ایک راستہ آتا ہے جس سے میں ان سے جا کر مل لیتا ہوں تم اس راستہ سے نہیں جا سکتے۔

احقر نے نہ جانے کس جذبے کے تحت یہ عرض کیا کہ اچھی بات ہے نہ بتایئے۔ میں بھی اب جاتا ہوں اور کسی نہ کسی راستے سے اپنی جگہ پہنچوں گا جب احقر چلنے لگا تو حاجی فاروق اور حاجی اقبال بھی ساتھ ہو لیے باہر نکل کر لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا یہاں سے ایسا راستہ ہے کہ جس کے ذریعے سے ہم محلہ جیاد میں پہنچ جائیں۔ انہوں نے پہاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ جو پگڈنڈی پہاڑی کے اوپر جا رہی ہے اس کے ذریعہ سے اس پہاڑی پر چڑھ جاؤ اور دوسری طرف اترو گے تو محلہ جیاد ہو گا۔

چنانچہ اسی پگڈنڈی کے ذریعہ پہاڑی پر چڑھ کر دوسری طرف اُتر گئے اور اپنے اپنے مستقر پر پہنچ گئے۔ اس سے آگے کے واقعات کا تعلق حضرت والا کی ذات سے نہیں ہے صرف اتنا ضرور ہے کہ ہم حضرت والا کی دعاؤں کے صدقہ میں اور آپکی جدّہ آمد کے صدقہ میں اس پوری بغاوت کے فتنہ سے مامون و محفوظ رہے۔ اس روز اگر ہم حرم شریف میں ہوتے تو نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا۔ یہ بھی حضرت والا کی

دعاؤں کا صدقہ تھا کہ احقر مدینہ منورہ ہو کر جب پاکستان جا رہا تھا تو آب زم زم صرف احقر ہی کے پاس تھا، جو کہ پہلے سے منصور احمد صاحب کے پاس سامان کیساتھ رکھا ہوا تھا اور بحمد للہ تعالیٰ ہم خیریت سے پاکستان آگئے۔

الحمد للہ! یہ کام آج بتاریخ ۵ ستمبر ۱۹۹۱ء کو حضرت والا کی دعاؤں سے بروز جمعرات اختتام تک پہنچا۔

تیسرا واقعہ ایک مرتبہ حضرت والا میرے یہاں بنوں میں کھانا تناول فرما رہے تھے۔ حضرت جب کھانے سے فارغ ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ یہ برتن کھانے کے میں اٹھا رہا ہوں اسکے بعد میٹھا لا رہا ہوں۔ جو بھی اس وقت میٹھے کی چیز وغیرہ بنی ہوتی تھی اُسکی پیالیاں وہاں رکھی ہوتی تھیں اور چھوٹی چمچی، وہ پیالی اور چھوٹی چمچی کے علاوہ باقی تمام برتن احقر اُٹھا کر اندر لے گیا۔

اور اس کے بعد اندر سے میٹھے کا ڈونگا اُٹھا کر لے آیا۔ حضرت والا اور دیگر حضرات احقر سمیت اس میں سے نکال کر کھانے لگے۔ اس میٹھا کھانے کے دوران احقر نے حضرت والا سے دریافت کیا کہ یہ جو مشہور ہے کہ آخر میں میٹھا کھانا سنت ہے۔ کیا واقعی یہ درست ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ نہیں، سنت تو یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کھانے سے شروع کیا اُسی پر ختم فرماتے تھے۔ اور اگر نمکین اور میٹھی دونوں چیزیں موجود ہوں تو نمکین چیز پر شروع فرماتے تھے اور نمکین چیز پر

ختم فرماتے تھے۔ اس پر احقر نے عرض کیا۔

کہ نمکین چیزیں تو میں سب اندر پہنچا چکا، اب آپ آخر میں میٹھا تناول فرما رہے ہیں تو نمکین پر کھانا کیسے ختم فرمائیں گے۔ حضرت والا تھوڑا سا مسکرائے اور اپنی شہادت کی انگلی اور انگوٹھے کے درمیانی خلا کو کھولتے ہوئے یہ دکھایا کہ میں نے یہاں پلاؤ کے چند چاول رکھ لیے ہیں۔ اس میٹھے کے بعد وہ کھا لوں گا اور بحمداللہ تعالیٰ سنت پوری ہو جائے گی۔ احقر کو بہت تعجب ہوا کہ یہ حضرت والا سنت کو پورا کرنے کے لیے کتنا اہتمام اپنے دماغ میں رکھتے ہیں۔

حضرت کی بے نفسی اور استغراق

پہلا واقعہ

۱۹۸۰ء کے اوائل میں احقر تین ماہ کے قیام کے لیے جلال آباد آیا تھا، جنوری کے شروع میں حاضر ہوا تھا۔ بھائی جان اس وقت پاکستان سے ہندوستان آرہے تھے۔ احقر بھی ان کے ساتھ ہی پاکستان سے ہندوستان آگیا۔ احقر نے ایک ڈیڑھ ماہ کا ارادہ ظاہر کیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ مارچ کے آخر میں دارالعلوم دیوبند کا جشنِ صد سالہ ہو رہا ہے، اس میں شرکت کے بعد چلے جانا، چونکہ احقر گھر وغیرہ کے معاملات سے مطمئن تھا۔ اس لیے حضرت والا کا حکم بے چون و چرا تسلیم کر لیا۔ اچھی خاصی سردی پڑ رہی تھی۔

حضرت والا نے ازراہِ شفقت اپنی رہائش گاہ کے برآمدے سے متصل جو کمرہ ہے جس میں اب مولوی عنایت اللہ سلمۂ مقیم ہیں رہنے کے لیے عنایت فرمایا، چنانچہ احقر اسی میں رہ رہا تھا، حضرت والا کا یہ معمول تھا کہ فجر کے بعد سے مغرب تک بلا کسی سہارے کے بیٹھے ہوئے اپنے کام میں مصروف رہتے تھے۔ اگر موسم اچّھا ہوتا اور دھوپ وغیرہ ہوتی تو حضرت برآمدے میں تشریف لے آتے۔ ورنہ اپنے کمرے میں ہی تشریف فرما رہتے۔

احقر کا معمول تھا کہ ناشتہ کے بعد تھوڑی دیر توقف کر کے، استنجاء کے لیے جاتا تھا۔ اس کے بعد وضو کر کے حضرت والا کی خدمت میں بیٹھ جاتا۔ ایک دن احقر نے دیکھا کہ حضرت والا کے پیر پر جو داد تھا اور اس زمانہ میں وہ رِس رہا تھا، اور حضرت والا خطوط کے جواب بہت آرام سے تحریر فرما رہے تھے، احقر یہ منظر دیکھ کر کانپ گیا اور فوراً اپنے کمرے سے رومال لیکر ان مکھیوں کو اُڑانے لگا۔

وہ مکھّیاں اس بری طرح سے پیوست ہوتی ہوئیں تھیں کہ رومال سے اُڑانے کے باوجود نہیں اڑ رہی تھیں، احقر نے ان کو ہاتھ سے علیحدہ کیا اور اس کے بعد رومال ہلانا شروع کیا تاکہ مکھیّاں نہ بیٹھنے پائیں۔ حضرت والا اِس پورے عمل کے دوران خطوط کے جواب میں مصروف رہے اور احقر سے بالکل نہیں بولے۔

غالباً جب خطوط کا جواب ختم ہو گیا تو بہت آہستہ سے عجیب انداز

میں حضرت والا نے یہ فرمایا، تنویر احمد خان کیا کر رہے ہو، عرض کیا کہ مکھیاں اڑا رہا ہوں ۔ فرمانے لگے کب تک اُڑاؤ گے۔ احقر سوچ میں پڑ گیا اور سوچ کر جواب دیا کہ دو تین گھنٹہ تک تو اڑاتا رہوں گا ۔ فرمایا کہ اس کے بعد کیا ہو گا۔

احقر کے پاس کوئی جواب نہ تھا، خاموش دیکھ کر فرمایا کیوں اپنا وقت ضائع کر رہے ہو ، تم اپنا کام کرو، مکھیاں اپنا کام کریں اور میں اپنا کام کروں ۔ احقر نے عرض کیا کہ آپ کے تو یہ پیر پر زخم کی سی صورت ہے۔ میرا جسم تو تندرست ہے ، اگر میرے تندرست جسم پر بھی مکھی بیٹھے تو میں اسے برداشت نہیں کر سکتا۔ آپ کے تو داد پر یہ مکھیاں بری طرح لپٹ جاتی ہیں آپ اس کو کیسے برداشت کر لیتے ہیں، فرمانے لگے کہ میں اپنے ذہن کو اسطرف مرتکز نہیں کرتا ، بلکہ دوسری طرف مشغول رکھتا ہوں اسلئے مجھے یہ محسوس نہیں ہوتا کہ یہ مکھیاں کیا کر رہی ہیں۔ احقر نے عرض کیا کہ میں نے نفی کرنیوالا بزرگ عملاً نہیں دیکھا۔

فرمانے لگے کہ تمہیں نفی کرنا ہی نہیں آتا ، جب کسی چیز کو ذہن سے نفی کر دیا، پھر اس کا محسوس ہونا کیا معنیٰ ؟ آخر خاموشی سے اپنا رومال لیکر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

دوسرا واقعہ | حضرت والا پاکستان تشریف لائے ہوئے تھے اور مولوی وکیل احمد صاحب کے یہاں ماڈل ٹاؤن میں مقیم تھے۔ واپس ہندوستان تشریف لے جانے لگے تو حضرت نے

احقر کو اندر بلایا اور کچھ بات کرنے لگے۔ احقر نے عرض کیا یہ جو لباس آپ نے پہنا ہوا ہے، یہ کوئی خاص متبرک لباس ہے۔

یا کوئی اور بات لباس سے متعلق ہے کہ دو ہفتے سے آپ اسکو زیب تن فرمائے ہوئے ہیں اور اب جمعہ کو بھی بدلنے کا ارادہ نہیں ہے۔ فرمانے لگے مد تنویر احمد خان میرا یہ معمول ہے کہ جب مجھے سفر پر جانا ہوتا ہے تو کپڑے نہیں بدلتا ہوں اور جو کپڑے پہنے ہوئے ہوتا ہوں، انہیں پہنے ہوئے واپس چلا جاتا ہوں۔ اسلئے کہ اگر لباس تبدیل کر کے سفر میں جایا جاتے تو وہ بھی میلے ہو جاتے ہیں اور جو میلے ہیں وہ بھی میلے ہو جاتے ہیں۔

اب ہوا یوں کہ گذشتہ اتوار کو جانے کا ارادہ تھا۔ اسلئے گذشتہ جمعہ کو کپڑے نہیں بدلے، پھر ہمشیرہ صاحبہ نے مزید ایک ہفتہ ٹھہرنے کے لیے اصرار کیا، چنانچہ میں نے قبول کر لیا۔ اب جو جمعہ آیا اسکو اس لئے نہیں بدلے کہ اتوار کو سفر کرنا ہے۔ احقر نے عرض کیا کہ کپڑے بہت میلے ہو چکے ہیں اور وہاں پر بھی کسٹم کے افسروں وغیرہ سے ملنا پڑے گا۔ لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے کہ کیا حضرت کے پاس کپڑے نہیں ہیں۔

فرمانے لگے کہ تنویر احمد خان مجھے ان باتوں کی پرواہ نہیں ہے۔ دنیا کچھ بھی سمجھتی رہے میں لوگوں کی وجہ سے اپنا معمول کیوں بدلوں، باوجود اصرار کرنے کے حضرت والا نے کپڑے نہیں بدل کر دیئے اور اسی لباس میں تشریف لے گئے۔ اس کے بعد مجھ سے بھی ایک عجیب بات فرمانے لگے کہ تنویر احمد خاں یہ بات تو چھوڑو، ایک اور مسئلہ درپیش ہے۔ ہمشیرہ نے ایک

روئی کی صدری بنا کر دی ہے اور اسکے رکھنے کی کوئی جگہ نہیں ہے۔
اور میں اس کی وجہ سے مزید عدد بڑھانا نہیں چاہتا۔ میں نے یہ تجویز پیش کی کہ میں اسکو پہن لیتا ہوں (جبکہ جون کا مہینہ تھا اور لو چل رہی تھی)
مجھے اس سے کوئی گرمی وغیرہ محسوس نہیں ہوگی رہا یہ سوال کہ لوگ دیکھ کر کیا کہیں گے تو اس کی بھی ترکیب بتائی کہ اسکو کرتے کے اوپر کے بجائے نیچے پہن لوں گا۔ احقر نے عرض کیا سبحان اللہ سبحان اللہ، کیا لوگ اتنے احمق ہیں کہ انہیں یہ معلوم نہ ہو کہ آپ نے کرتے کے نیچے اتنی موٹی چیز کیا پہن رکھی ہے۔

اوپر سے تو نظر آجائیگی اور اندر ہوگی تو ہر ایک معلوم کریگا بس آپ لوگوں کو اسی کا جواب دیتے رہنا۔ اسکا علاج یہ نہیں ہے، بلکہ آپکا سامان ترتیب سے نہیں رکھا ہوا، اگر آپ احقر کو تصرف کی اجازت دیں تو پیچھی کا سارا سامان نکال کر دوبارہ اسکو طریقے سے رکھ دے۔ انشاء اللہ اس میں اتنی گنجائش نکل آئے گی۔

فرمایا کہ اصل میں تو میں تم سے یہی بات کہنا چاہ رہا تھا۔ مگر بات کہیں دوسری جگہ سے شروع ہوگئی۔ اسی ضمن میں حضرت نے اپنا ایک واقعہ سنایا کہ میں مدراس کے سفر پر جا رہا تھا اور سفر لمبا تھا یہ خیال تھا کہ سردی اس وقت تک تیز شروع ہو جائے گی۔ اسلئے جو پشاور سے اونی چوغہ لیا گیا تھا اسکو اپنے ساتھ رکھ لیا۔ اگرچہ اُس وقت گرمی اچھی خاصی تھی، لیکن اسکو احتیاطاً رکھ لیا گیا تھا۔

تمہاری امی جان (پیرانی صاحبہ) نے یہ فرمایا کہ نہیں تو یہ آپنے

پہن کر دکھایا ہی نہیں کہ اسکو پہن کر آپ کیسے لگتے ہیں۔ میں نے کہا کہ یہ
کونسی بات ہے میں ابھی پہن کر دکھا دیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا ایسے
تھوڑی، تم اسکو پہن کر یہاں سے روانہ ہو اور پھر میں دیکھوں کہ تم
کیسے لگ رہے ہو۔ میں نے کہا یہ بھی کوئی بات نہیں۔ میں یہاں سے
پہن کر چلا جاتا ہوں، تم مجھے جاتے ہوئے اچھی طرح سے دیکھ لینا
کہ کیسے لگتا ہے۔

یہ کہہ کر میں نے چترالی چوغہ پہن لیا اور گھر سے روانہ ہو گیا، مجھے
تو یہ خیال ہی نہ رہا کہ میں نے کیا پہن رکھا ہے۔ لیکن لوگ مجھے گھور
گھور کر دیکھ رہے تھے، یہاں تک کہ میں جلال آباد سے سوار ہو کر
ٹرین میں سوار ہو گیا۔ تب مولوی عابد حسین مرحوم نے یہ کہا کہ کیا
آپکو سردی سے بخار چڑھ رہا ہے؟ یا کوئی اور وجہ ہے؟ جو
آپ نے یہ چوغا اپنے اوپر ڈال رکھا ہے۔ تب مجھے پتہ چلا کہ میں
نے یہ گرم چوغہ پہن رکھا ہے۔ پھر میں نے اسکو وہاں اُتار دیا۔

احقر نے عرض کیا کہ بس اتنا ہی کافی ہے۔ اب آپ اس
روئی کی صدری پر مزید اپنی نفی کی مشق نہ فرمائیے۔ اسکے بعد احقر نے
سب سامان نکال کر ترتیب سے رکھا تو اس میں اتنی جگہ نکل آئی کہ
ایک کی جگہ اس میں دو صدری رکھی جا سکیں۔ چنانچہ وہ روئی کی
صدری اس میں رکھ دی گئی۔

اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ حضرت والا میں کس قدر
بے نفسی اور کس قدر علائق سے ذہن کو نفی کرنے کا ملکہ حاصل ہے۔

آخری ایّام

تعلق مع اللہ کا غلبہ

آخری اَیّام میں حضرت والا میں ایک بہت بڑا تغیّر اقوال میں، عادات میں، مزاج میں اور طبعیت میں جو دیکھا وہ بہت عجیب تھا اور وہ یہ تھا کہ مشغولیت حق اس قدر بڑھ گئی تھی کہ تمام چیزوں اور تمام لوگوں سے حضرت ایک قسم کا تعلق منقطع کر رہے تھے اور کسی بات میں اور کسی معاملہ میں تفصیل بالکل ناپسند ہوگئی تھی۔ میں اسکو بہت تعجب سے دیکھتا رہا۔

محبوب چیزوں سے اجتناب

پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ جب کبھی طبعیت خراب ہوئی سب گھر والوں کو جمع فرمالیا کرتے تھے۔ اِس دفعہ گھر والوں سے بھی لاتعلق بیٹھے ہوتے تھے، گھر آنا جانا بیماری کی وجہ سے ویسے ہی ختم ہوگیا تھا۔ لیکن ویسے بھی کوئی تذکرہ یا تعلق گھر والوں سے نہیں تھا۔ ملنے والے سب حضرات کے ساتھ حضرت کا یہ معمول ہوگیا تھا کہ کوئی جب بھی جانا چاہے فوراً اجازت دیدیتے۔

میں اپنی ذات کے بارے میں اتنا کہوں گا کہ کبھی بھی حضرت نے خوشی کے ساتھ مجھے اجازت نہیں دی۔ ہمیشہ یہ فرماتے تھے کہ اور ٹھہر سکتے ہو تو ٹھہر جاؤ۔

میں ایک دفعہ حضرت کے ساتھ لاہور میں قیام کئے ہوئے تھا۔ میں نے حضرت سے اجازت مانگی کہ حضرت ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے مطب بند ہے۔ مجھے اجازت دیدیجئے کہ میں چلا جاؤں، مریض وغیرہ بھی پریشان ہورہے ہوں گے، حضرت نے فرمایا ایسی بات ہے تو مجبوری ہے چلے جاؤ۔ اجازت دیدی۔ جب میں عشاء کے بعد حضرت کی خدمت میں پہنچا حضرت نے ایک نئے انداز سے ایک بات کہی، کہ سُنا ہے جنابِ والا کل تشریف لے جارہے ہیں، میں نے کہا حضرت میں نے آپ سے اجازت لی ہے سُنا کا کیا تعلق ہے یہاں۔ اور آپ نے مجھے اجازت دی ہے۔ فرمایا ہاں اجازت تو میں نے دیدی، لیکن میرا دل نہیں چاہ رہا۔

اور وہ دو وجہ سے ایک تو یہ کہ واقعی میرا دل نہیں چاہ رہا دوسرے یہ کہ لوگ کیا کہیں گے کہ تنویر احمد خان کا بس اتنا ہی تعلق ہے کہ ایک ماہ رہ کر چلے گئے اور میرے جانے کے دن ہی کتنے رہ گئے ہیں۔ یہ چند دن، دس پندرہ دن اور ہیں یہ تو شرطِ وفا نہیں ہے۔ اتنا تو نباہ کرو کاروبار اور مطب وغیرہ تو چلتے ہی رہتے ہیں، دیکھو وہ فلاں آئے تھے وہ چلے گئے، فلاں آئے تھے وہ چلے گئے۔ ایک تم ہی تو رہ گئے ہو۔ یہ باتیں بے تکلفی کی وجہ سے تم سے کرلیتا ہوں اوروں سے تو ایسی بات کرتے ہوتے شرم آتی ہے۔

احقر نے عرض کیا، حضرت اسکی ایک صورت یہ ہوسکتی ہے کہ آپ مجھے دو چار دن کی اجازت دیدیں۔ میں جا کر مریضوں کو دوا وغیرہ دیکر پھر واپس آجاتا ہوں۔ حضرت نے فرمایا ہاں یہ ٹھیک ہے۔ پھر مجھے بھی یہ

گنجائش ہوگی کہ اور زیادہ ٹھہر جاؤں ۔ چنانچہ میں گیا اور پانچویں دن واپس آگیا۔ حضرت بہت خوش ہوتے اور یہ فرمایا کہ اب میں بھی ایک مہینہ ٹھہر کر جاؤں گا ۔ میری وجہ سے حضرت والا ایک ماہ اور ٹھہر گئے ۔

اس طریقہ سے حضرت مجھے روکا کرتے تھے ۔ اس مرتبہ سے پہلے جب میں حضرت کے یہاں گیا تو بادلِ ناخواستہ مجھے حضرت نے واپسی کی اجازت دیدی ۔ اس سے قبل جب حاضری ہوتی تو پورے تین ماہ تک قیام ہوا۔ اس سے قبل اجازت نہیں دی ۔

لیکن اِس دفعہ حضرت مجھ سے بار بار پوچھتے تھے کہ تم جا نہیں رہے ہو ۔ جب کوئی حضرت سے اجازت لے کر جاتا تھا تو فرماتے کہ تم نہیں جا رہے ہو؟ جس سے بھی ذرا سا لگاؤ تھا اسکو اپنے پاس سے علیحدہ کرنے کی کوشش کی جا رہی تھی کہ مشغولیتِ حق میں کوئی چیز حارج نہ رہے ۔

اندازہ یہ ہوا کہ کوئی بھی چیز ایسی جو حضرت کی طبیعت میں پسندیدہ ہو اُس کو حضرت اپنے سامنے سے ہٹا رہے ہیں ۔ سب سے زیادہ اولاد میں جو ایک صاحبزادہ تھا، بہت زیادہ اس سے تعلق تھا وہ آکر بیٹھتے تو کوئی خاص قسم کی بات اُن سے نہیں کہتے تھے۔ جبکہ آخر میں باوجود اجازت و خلافت کی تفویض کے صرف تھوڑی دیر کے لیے صبح و شام حاضری ہوتی تھی ۔ اور اکثر یہ فرماتے کہ جاؤ ناشتہ وغیرہ کرو ۔ اسی طرح جتنے لوگ آجا رہے تھے، وہ کہتے کہ حضرت دو دن کے لیے آئے ہیں اچھا ٹھیک ہے ۔ آج جانا چاہتے ہیں ۔ اچھا جاؤ ، کسی کو یہ نہیں کہہ رہے ہیں کہ کیوں جا رہے ہو

حالانکہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ بھئی کچھ اور ٹھہر جاؤ۔ اتنا خرچہ کیا ہے دُور سے آتے ہو، پھر اس آنے کا کیا فائدہ کہ آئے اور گئے۔

اختصار کی تلقین ایک اور چیز بھی حضرت میں یہ پیدا ہو گئی تھی کہ جو کوئی شخص بھی دو لفظ زیادہ بول دے وہ حضرت کو ناگوار گذرتے تھے اور یہ تنبیہہ فرماتے تھے کہ اختصار، میں اس وقت کسی تفصیل کا متحمل نہیں ہوں۔ اندازہ یہ ہوا کہ اِس وقت کسی بات میں دو لفظ بھی جو مشغولیتِ حق میں مخل ہوں برداشت نہیں۔

خصوصاً مجھے تو دو تین مرتبہ حضرت نے ہدایت کی کہ تنویر احمد خان تمہاری عادت کچھ تفصیل سے بات کرنے کی ہے اور میں آجکل اختصار چاہ رہا ہوں، تو تم اب تفصیل میں مت جانا۔ بس اختصار، مجھے مختصر طور پر ہاں اور ناں میں جواب دینا۔ مجھے اس کی کیا ضرورت ہے کہ یہ دوا کھانی ہے یا نہیں۔ اگر کھانی ہے تو کہدو کہ کھانی ہے میں کھا لوں گا۔ اور اگر نہیں تو کہدو نہیں۔ بس، ان سب چیزوں کی سب سے بڑی وجہ وہی مشغولیتِ حق تھی۔ حضرت والا ہر وقت ذکر اور مشغولیتِ حق میں رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ہم بیٹھے رہتے تھے، تو بھی حضرت کا بات کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا اور بڑی دیر کے بعد تھوڑی سی بات حضرت فرما لیتے تھے۔ شاید ہماری دلجوئی کے لیے۔

امورِ تربیت میں تفصیل البتہ ایک چیز تھی کہ جہاں تک اصلاحی

تعلق تھا یا لوگوں کی تربیت کا تعلق تھا، اسکے حضرت شیدائی اسقدر آخری وقت تک تھے کہ ذراسی بات تربیت کی ہوتی تھی اسے بھی تفصیل سے بیان فرماتے تھے۔ وہاں اختصار ختم ہوجاتا تھا اس کی پوری تشریح فرماتے تھے۔ جو کچھ مجھے حضرت نے وصیت کی ہے اس میں آپ دیکھیں گے کہ حسن کلام! اسکی تعریف کیا ہے؟ اب تعریف بھی بیان ہورہی ہے حسنِ اخلاق کیاہے؟ اسکی تعریف کیاہے؟ وہ سب بیان ہو رہے ہیں۔ یہاں تو تفصیل ہے۔ اسلئے کہ اسکا تعلق تو تربیت اور اصلاح سے ہے، بس اُسوقت تو یہ کیفیت دیکھنے میں آتی تھی۔ مارأیتُ شیئاً اِلّا اللّٰہ، لیکن باقی معاملات میں اور ہر چیز میں اختصار شروع ہوگیا تھا۔ تاکہ خلائق سے جتنا دور رہا جاتے اور تعلق نہ ہو، بس یہ ہوگیا تھا۔

گھر والوں سے بچوں سے، بڑوں سے، متوسلین سے ایسا ہوگیا تھا کہ اب کسی سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے، اور یہ بات بہت آخر میں میری سمجھ میں آئی کہ حضرت کے مزاج میں یہ تغیّر کیوں ہوگیا۔ بارہا یہ سوچتا تھا کہ اب تو یہ بھی کبھی نہیں کہتے، تنویر احمد خان آج تو اور بیٹھ جاؤ میرے پاس، یا کتنے دن ٹھہرو گے، پوچھ ہی نہیں رہے، بلکہ اُلٹا یہ پوچھ رہے ہیں کہ تم جا نہیں رہے ہو۔

مشغولیتِ حق کا اندازہ حالانکہ اسکا اظہار کر چکے تھے کہ تمہارے آنے سے جتنی خوشی، جتنا عجیب اثر میری طبیعت پر ہوا ہے میں بیان

نہیں کرسکتا، پھر بھی یہ بات کہ جاگ رہے ہو۔ اتنا اللہ تبارک تعالیٰ کا استحضار اور مشغولیتِ حق میں مستغرق رہنے لگے تھے کہ کسی چیز سے تعلق رہا نہیں تھا۔ اور اسکا اندازہ آخری دن یا آخری رات سے لگا لیجئے کہ اس وقت بھی حضرت کو یہ محسوس ہو گیا تھا کہ یہ میرا آخری وقت ہے اور سفر آخرت کر رہا ہوں۔ لیکن کوئی بات ایسی نہیں کہ فلاں کو بلالو، اور بچوں کو بلالو، ورنہ ہمیشہ یہ ہوتا تھا کہ جب اس قسم کی کیفیت ہوتی تھی تو تمام بچوں کو اور گھر والوں کو اپنے پاس بلا کر بٹھا لیتے تھے، اور نامحرم لوگوں کو علیحدہ کر دیتے تھے۔ اس دفعہ جب جا رہے تھے تو گھر والوں میں سے کسی کو نہیں بلایا اور یہ بھی اظہار نہیں کیا کہ اُن کو آنا چاہیئے یا نہیں۔ کسی سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ اگر ہے بس اللہ تعالیٰ سے تعلق رہ گیا ہے اور اسی کے ساتھ مشغولیت ہے۔ یہ ایک بات استغراق کی حد تک حضرت کی طبیعت میں آگئی تھی اور یہ دیکھنے میں آیا کہ اکثر حضرت مستغرق رہتے تھے یہ معلوم ہوتا تھا کہ کسی چیز میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ اسکے علاوہ ہر چیز سے لاتعلق ہیں۔ آنکھیں تھوڑی سی بند کی ہوئی ہیں اور زبان پر ذکر کی حرکت ہے اور لیٹے ہوئے ہیں، ایک عجب شانِ استغراق نظر آتی تھی۔

اور یہ محسوس ہوتے ہوتے اور چلتے ہوتے بھی کہ فلاں فلاں بیٹھے ہوئے ہیں لیکن گفتگو نہیں فرما رہے ہیں، بلکہ وہ دھیان اور مشغولیت قائم ہے۔ جبکہ تین چار دفعہ یہ فرمایا اب کیا اچھا ہوں گا۔ مردے بھی کہیں اچھے ہوتے ہیں۔ اب تو میں مردہ ہوں، زندہ نہیں۔ دیکھ لینا میں مردوں

میں ہوں زندوں میں نہیں، حضرت کی یہ ساری باتیں ظاہر ہوچکی تھی، اسکے باوجود تعلق کا اظہار کسی سے نہیں تھا۔ یہ حضرت کی سب سے بڑی ولایت کی ایک دلیل ہے۔

تصوف کا میزانیہ

اگر کسی کا کوئی مقام اور کسی کی کوئی بات تصوف کے میزانیہ سے جانچی جائے اور پرکھی جائے تو اُسکے آخری اَیَام میں یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ اسکو دنیا کی کسی چیز سے کوئی دلچسپی یا تعلق یا اٹکاؤ یا کوئی پریشانی یا کوئی تشویش ذہن پر آتی ہے یا نہیں۔ اگر آتی ہے تو ظاہر ہے کہ اس سے دنیا کا تعلق ہے البتہ ان اُمورِ شرعیہ و دینیہ کا آخر تک استثنائً موجود رہے۔ لیکن حضرت کا یہ انداز کہ کسی چیز سے کوئی پریشانی کوئی تعلق نہیں تھا۔ بس اگر رہ گیا تھا تو یہی رہ گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے تعلق قائم تھا اور اسی تعلق کو رکھتے ہوئے حضرت نے سفرِ آخرت فرمایا۔ اس ایک آواز کیساتھ "یا اللہ" زور سے فرمایا اور جان جانِ آفریں کے سپرد کردی۔

اللہ تعالیٰ کے بڑے چہیتے

پھر یہ کہ حضرت کا اللہ تعالیٰ سے تعلق بڑا عجیب تھا، باوجود اس کے کہ تمام عمر شریعت کی پابندی کی اور تمام باتیں اپنے سامنے رکھتے ہوئے پھر بھی کچھ باتیں ایسی تھیں کہ جو حضرت سے وقتاً فوقتاً کلام کے ذریعہ سے اور کسی حرکت کے ذریعہ سے ظاہر ہوتی تھیں۔ حضرت کا انداز اللہ تعالیٰ کے ساتھ باوجود اسکے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے بڑے چہیتوں میں سے تھے۔

غلبۂ محبت وادب کا امتزاج

لیکن ایک بات حضرت پر ہمیشہ غالب رہی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت کا کتنا بھی اضافہ ہو جائے، لیکن ادب کو کبھی اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ اور کسی کو بھی یہ بات نہیں کرنے دیتے کہ وہ ذراسی بھی بے ادبی کیساتھ بات کرے۔ کبھی بھی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا نام صرف اللہ سے نہیں لیا۔ حضرت الحمدللہ پر مجھے فرماتے رہتے تھے کہ الحمدللہ کے آگے "تعالیٰ" اور بڑھادو، ماشاء اللہ تعالیٰ، انشاء اللہ تعالیٰ، ہر جگہ اللہ کے نام کے ساتھ اضافہ فرماتے تھے۔

مجھے تنبیہ ہوئی کہ حضرت کا منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام اس طریقہ سے لکھنا بھی ادب کے خلاف ہے کہ اس کے ساتھ "تعالیٰ" نہ لگایا ہو۔ اس کے بعد میں نے مستقل طور پر اسکی عادت بنالی۔ لیکن اگر کبھی میں گفتگو میں روانی کی وجہ سے کہنا بھول جاتا تھا تو مجھے یاد نہیں کہ حضرت نے اس پر نہ ٹوکا ہو اور "تعالیٰ" کی ہدایت نہ کی ہو۔

ادب کا اتنا غلبہ حضرت کے اوپر رہا ہے کہ حضرت کی محبت اور عشق اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھا ہی اسکے ساتھ ساتھ ادب کا مکمل غلبہ تھا اور اس وجہ سے بھی کہ حضرت اپنے شیخ کے ساتھ بھی اور دوسرے لوگوں کے ساتھ بھی ہمیشہ مؤدب رہے۔ غیر ادب اور غیر اخلاق کی کوئی بات کبھی حضرت میں ہم نے دیکھی ہی نہیں۔ ہر چیز میں ایک ادب تھا اور ہر چیز میں انکساری و عاجزی تھی۔ کبھی کوئی تعلّی کی بات، کوئی غیر ادب کی

بات، نہ پسند کی اور نہ کبھی اپنی زبان سے ادا کی۔ آخر میں حضرت کے ہاتھ وغیرہ لوگ چومتے تھے، سر پر رکھتے تھے۔ ہاتھ چومنے پر ایک مرتبہ فرمایا کہ ہمیں اپنا تو پتہ نہیں مگر یہ تو حقیقی ہے۔ اسلئے کہ یہ خود اپنے کو حقیر سمجھ رہا ہے۔

اور میں تو اپنے خطوط کے اندر بعض دفعہ کسی اپنی کیفیت کے غلبہ کے تحت بات لکھ مارتا تھا۔ لیکن حضرت نے ہمیشہ ان کے جواب میں لکیر کھینچ کر یہ لکھا کہ ادب کا ہمیشہ لحاظ رکھنا چاہیئے، اور کوئی ایسی بات زبان سے اور قلم سے نہیں نکالنی چاہیئے جس سے ذراسی بھی بے ادبی کا اظہار یا انعکاس ہو، یہ ہمیشہ حضرت کی ہدایت رہتی تھی۔

اب یہ انداز جو حضرت کا تھا کہ حضرت میں محبوبانہ شان بھی تھی۔ لیکن اسکے ساتھ ادب اتنا غالب تھا کہ بتا نہیں سکتا۔ یہ دونوں باتیں اکثر بزرگوں میں ہم نے نہیں دیکھی۔ اگر محبت کا غلبہ ہے تو ادب کا غلبہ کم ہو جاتا ہے اور اگر ادب کا غلبہ ہے تو محبت کم ہو جاتی ہے۔ یہاں دونوں چیزیں ساتھ ساتھ ہیں۔ یہ ایک انداز جو حضرت کا تھا دنیا میں بزرگوں کی جتنی بھی صنوف ہیں انمیں ایک منفرد انداز تھا۔ جتنے بھی بزرگوں کے ہم نے حالات دیکھے ہیں ان میں کسی ایک چیز کا غلبہ ہوا ہے، تو دوسری چیزوں کے اثرات ان میں کم ہو گئے۔ یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ نہیں رہی ہیں۔

سفرِ آخرت کا اختیار

اِس سے بھی اندازہ لگا لیجیے کہ میں نے جب حضرت سے پوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ کے یہاں جانے میں آپ کے ارادہ کا کوئی دخل ہے۔ جہاں تک حضرت کے اظہار کا تعلق ہے تو

یہ فرما دیا کہ ہاں دخل دیا گیا ہے۔ لیکن اسکو کسی تعلّی یا کسی افتخار سے کہ جس سے ذرا سی بھی ادب سے ہٹی ہوئی بات نظر آئے، حضرت کی زبان سے فرمانا ہی مشکل ہو رہا تھا اور جب میں نے تین دفعہ پوچھ لیا کہ میں آپکی جان نہیں چھوڑوں گا مجھے اس کا جواب چاہئیے۔ پہلے حضرت نے ایک کلیہ بیان کیا کہ اس میں کسی کو دخل نہیں ہوتا، لیکن کسی کو دخل دیدیا جاتا ہے۔ کتنے عجیب محتاط انداز میں یہ بات بیان کی ہے۔ اس میں اپنا نام بھی نہیں لیا، بلکہ یہ فرمایا کہ کسی کو دخل دیدیا جاتا ہے۔

میں نے اس پر عرض کیا کہ اَلحمدُللہِ تعالیٰ مجھے بڑی خوشی ہوئی کہ میرے شیخ کو یہ اختیار ملا ہوا ہے۔ حضرت نے اسکی نکیر نہیں فرمائی، لیکن بات اسی ادب کے انداز میں کی اور اس ادب کے دائرے سے نہیں نکلے، یہ حضرت کا انداز اور منفرد انداز ہے کہ باوجود اللہ تعالیٰ سے اتنا تعلق اور محبّت ہونے کے کبھی بھی ادب کا انداز دامن سے نہیں چھوڑا۔

حضرت والا دنیا سے سفرِ آخرت فرما رہے ہیں اور یہ آخری وقت ہے۔ اس وقت بھی یہ کسی کو نہیں معلوم تھا۔ البتہ کچھ تھوڑا سا بھائی جان کو اندازہ ہو گیا تھا کہ شاید ابا جی جا رہے ہیں ورنہ وہ خلافِ معمول اس وقت بیٹھتے نہیں۔ ان کا اس وقت بیٹھنا اور موجود ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ ان کو یہ احساس تھا کہ

کچھ ہونے والا ہے۔ اور اس بات سے صرف انکی اہلیت ہی نہیں بلکہ انکی ولایت کا بھی تعلق ہے، جو ان میں موجود ہے۔

بھائی جان پر اجازت کا اثر

اور اس بات سے بھائی جان کی ایک بہت بڑی بڑائی کی بات یہ محسوس ہو رہی ہے کہ حضرت والا نے آخر میں اپنے صاحبزادے بھائی جان کو جو اجازت دی اور خلافت دی۔ اس سے ان کی ذات میں جو کچھ تغیر آیا ہے۔ اس تغیر کا یہ بھی ایک حصہ ہے کہ ان کے قلب پر بھی بہت سی باتیں وارد ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ کچھ خصوصی باتیں حضرت والا نے صرف بھائی جان سے فرمائی تھیں اور تنہائی میں کبھی کبھی بھائی جان سے خصوصی امور پر گفتگو ہوتی تھی۔

چنانچہ جب میں نے بھائی جان سے یہ کہا کہ حضرت کی طرف سے بارہا تقاضا ہے کہ تم اپنی ٹانگ کا علاج کرالو۔ علیگڈھ جا کر آپریشن کرالو، تو وہ ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ میں حضرت کو اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جاؤنگا اور کوئی علاج نہیں کراؤنگا۔ جب تک حیات ہیں، میں حضرت کے پاس رہونگا۔ ان کو پہلے سے یہ احساس ہو گیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہوجائے کہ میں جاؤں اور حضرت دوسری دنیا میں تشریف لے جائیں۔ ہاں اگر حضرت میرے ساتھ کہیں چلیں تو میں وہاں علاج کرانے کو تیار ہوں۔

میں نے حضرت سے کہا کہ بھائی جان کو میرے ساتھ پاکستان بھیج دیجیے میں ان کا آپریشن اور علاج وہاں کراؤنگا۔ جو خرچہ ہوگا وہ بھی میں ہی دوں گا۔ حضرت نے فرمایا بڑی خوشی کی بات ہے۔ بلاؤ بھائی جان کو۔ حضرت نے ان سے فرمایا کہ تنویر احمد خان یہ فرما رہے ہیں تم ان کے ساتھ چلے جاؤ، میں تو نہیں جاؤنگا، ایک شکل ہے کہ آپ بھی چلیئے تو میں چلنے کو تیار ہوں۔ آپ کو چھوڑ کر نہیں جا سکتا اور یہ کہا کہ میرا دل نہیں مانتا۔ پچھلے سال یہ بات ہو چکی تھی۔

عرفات کا میدان

حضرت نے بھائی جان سے یہ فرمایا اور اس میں دو باتیں ہیں جو میں بیان کر دیتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ حضرت نے دو مرتبہ یہ بات بھائی جان سے کہی۔ اسکا قصہ یوں ہے کہ بھائی جان کے سمدھی کا انتقال ہوگیا اور ان کے جنازے میں شرکت کے لیے بھائی جان گئے، اور اُنہوں نے مشورہ کیا کہ انکے انتقال کی خبر حضرت کو نہ دیجائے۔ حضرت کی طبیعت پر اثر ہوگا۔ جب بھائی جان وہاں سے واپس آئے تو حضرت نے پوچھا کہاں گئے تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ ان کی طبیعت وغیرہ ٹھیک نہیں تھی۔ حضرت نے ان کا نام لے کر فرمایا کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو مجھے اسکی اطلاع نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ ان کا انتقال ہوگیا ہے۔ وہ اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں۔ تم مجھ سے کیا چھپا رہے ہو۔ جب بھائی جان نے دیکھا کہ ابا جان کو یہ بات معلوم ہوگئی ہے۔ اس پر بھائی جان نے

کہا حضرت مجھے ان کے مرنے کے بعد معلوم ہوا کہ وہ اِس قسم کے آدمی تھے۔ وہاں جنازے میں کافی آدمی تھے اور اسکی مزید تفصیلات بتائیں۔ حضرت نے اس پر یہ فرمایا کہ دیکھنا جلال آباد عرفات کا میدان بن جائے گا، تو بھائی جان کے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آپا جی یہ کیا کہہ رہے ہیں عرفات کا میدان بن جائے گا۔

چالیس دن تک توجہ

اور دوسرے ایک یہ بات کہ میرے مرنے کے بعد چالیس دن تک تمام متعلقین پر میری توجہ مرکوز رہے گی اور میں ان پر توجہ دیتا رہوں گا۔ مجھے اس پر بڑی تشویش ہوئی تھی کہ حضرت نے چالیس دن ہی پر کیوں محدود کیا۔ اس سے زیادہ کیوں نہ کہا آپ (احقر صبا ردانش) کی تسلی کے بعد مجھے تسلی ہوئی کہ حضرت نے یہاں کے دن نہیں وہاں کے دِنوں کے اعتبار سے فرمایا ہے۔ اس لیے اب کوئی غم نہیں ہے۔

اور پھر ایسا ہوا کہ جلال آباد عرفات کا میدان بن گیا کہ جلال آباد میں کوئی اِطلاع کا خاص انتظام نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود لوگ بڑے حیران تھے کہ اچانک چاروں طرف سے لوگوں کی آمد شروع ہوگئی اور وفات کے وقت ایک چھوٹے سے قصبہ میں ڈھائی لاکھ کا مجمع ہوگیا اور تمام ٹریفک بند ہوگئے۔ یہاں تک کہ ڈپٹی کمشنر، ایس پی ڈی ایس پی عملہ کے ساتھ پہنچ گئے اور اہم شاہراہ حضرت کی تجہیز وتکفین

تک بند رہی اور ٹریفک جام ہو گئی۔ مقصود یہی تھا کہ اتنی مخلوق آئے گی کہ یہ جلال آباد عرفات کا میدان ہو جائے گا۔ سارا جلال آباد اسی انداز سے عرفات کا میدان بن گیا جسے بھائی جان بعد میں سمجھے۔

اور یہ کہ بھائی جان کی طبیعت میں خلافت کے ملنے کے بعد بہت بڑا تغیر آ گیا تھا اور وہ جو انکا خلافت سے قبل ایک انداز تھا اور جس طریقے سے وہ پہلے گفتگو کیا کرتے تھے وہ یکسر بدل گیا تھا اور حضرت کے انتقال کے بعد تو وہ بالکل ہی بدل گیا تھا۔ اب تو سننے میں یہ آیا ہے کہ ان کی ساری عادتیں بالکل بدل گئی ہیں۔ یہاں تک کہ گفتگو کرنے کا اور وعظ کہنے کا بھی انداز حضرت کا ہی بنتا جا رہا ہے۔

بھائی جان کو وعظ کی تلقین

حضرت جمعہ کے دن بڑے حضرت والا کا وعظ بیان فرمایا کرتے تھے۔ کہیں تھوڑی بہت بیچ میں تشریح کر دی۔ ورنہ وہی وعظ جو حضرت کا پڑھ کر سنا دیتے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں بیان کرتے تھے۔ اور اپنی وفات سے تین ماہ قبل یا چار ماہ قبل یہ بات بھائی جان کو کہی کہ اب جمعہ کا وعظ تم بیان کیا کرو۔

بھائی جان نے پہلے دن جب یہ کام شروع کیا اس دن تو ان کو بڑا عجیب سا محسوس ہوا اور مشکل سے ان کی زبان سے الفاظ ادا ہو رہے تھے۔ لیکن آہستہ آہستہ وہ اپنے اوپر قابو پاتے چلے گئے، اور پھر بڑے ٹھہراؤ کے ساتھ، بڑے اعتماد کے ساتھ انہوں نے بیان کرنا شروع

کر دیا تھا۔ اب آخر میں تو یہ ہو گیا تھا کہ وعظ میں لہجہ اور انداز بھی حضرت ہی کا جیسا بنتا جا رہا تھا۔ جیسے بالکل انہی میں ڈھل گئے ہیں۔

اور حضرت نے جو اپنی دفن کی جگہ پسند فرمائی۔ وہ حسبِ منشا وہی قبرستان جو کہ جلال آباد کے عام قبرستان کا حصہ ہے۔ اسی میں حضرت مولانا سعید احمد صاحب اور آماں جی کے درمیان میں اپنی قبر کی وصیت فرمائی تھی۔ اَلحمدُللہ تعالیٰ وہیں دفن ہوئے۔ حضرت والا قدس سرہٗ کی محبوبانہ شان یہ تھی کہ ایک اژدھام حضرت والا کا جنازہ لے کر چلا، کسی کو پتہ نہ تھا کہ کہاں جا رہا ہے۔ تدفین کے وقت قبر کی کھدائی کی جو مٹی تھی اسے لوگ اُٹھا کر لے گئے۔ دفن کے وقت اُنہوں نے اُسی مٹی سے مٹی دی بعد میں کچھ لوگ تبرکاً مٹی لے گئے۔

جس حالت میں یہ چند سطور قلمبند کرائی ہیں وہ احقر کے لیے نہایت ہی جانگسل ہیں۔ وہ سراپا محبّت، پیکرِ اخلاص وشفقت، ہادیِ صدق و راہ طریقت، رہنمائے شارعِ شریعت، عاملِ کتاب وسنّت، مسیحائے دردو درمانِ خلقت، مرشدنا و مولانا و مقتدانا مسیح الاُمّت، لکھوکہا عاشقان وشیدائیان و محبّان وغمگساران کو داغِ مفارقت دیکر اس جہانِ فانی سے داعیِ اجل کو لبیک کہتے ہوئے اپنے خالقِ حقیقی سے جاملے۔ اِنّاللہِ واِنّا الیہِ رَاجِعُون [۱]

ے سروسیمینا بصحرامی روی سخت مے مہری کہ بے مامی روی
اے تماشاگاہ عالم روئے تو توکجا بہرِ تماشا مے روی۔

---

[۱] مذکورہ واقعات میں بہت سی تفصیلات ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب مدظلہٗ کو محترم جناب حاجی محمد فاروق صاحب مدظلہٗ کے ذریعہ معلوم ہوئیں۔ جس پر ہم اُن کے شکر گذار ہیں۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

وصیت نامہ

یہ وصیت حضرتِ والا نے خصوصی طور پر احقر کو کی تھی۔ بعد تصحیح اور اجازتِ اشاعت دیگر دو حضرات کو بھی احقر سے نقل کی اجازت ہوئی۔ اسلئے اصل تو یہی وصیت نامہ ہے مگر چونکہ اسکی نقل کی اجازت حضرت والا نے دیدی تھی۔ اسلئے وہ سب بھی اسی وصیت نامہ کے ذیل میں شمار ہونگے۔

فقط

تنویر احمد عفی عنہ

وَصیت نامہ

آج مُورخہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۲ء بروز سنیچر اَحقر جب حاضرِ خدمت ہوا تو حضرتِ والا نے کان قریب کرنے کا اِشارہ فرمایا، احقر نے اپنا چہرہ حضرتِ والا کے منہ کے قریب کر دیا، فرمایا زبان کو حرکت دینے کی بھی ہمت نہیں، ضعف بے حَد ہے، بتکلف بول رَہا ہوں پھر بھی چند باتیں عرض کرتا ہوں۔

فرمایا کہ تمام اعمالِ حسنہ استقامت کے ساتھ بالدوام، حُسنِ خُلق وحُسنِ کلام، نماز روزہ، سنن ومستحبات کا اہتمام بلحاظ صحت سہولت کے ساتھ رہے، ذکر وتلاوت بقدر فرصت و سہولت جاری رہے۔ مطالعہ کا اہتمام رہے، یہ بہت ضروری ہے۔ حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی "شریعت و طریقت" اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی عربی کتاب کا ترجمہ "تبلیغ دین" زیر مطالعہ رہے، حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ اِس کتاب کو بڑے بڑے علماء کو بھی تاکید سے پڑھواتے تھے۔ نیز حضرت والا نور اللہ مرقدہٗ کی تفسیر "بیان القرآن" کا بھی مطالعہ رہے۔

تمام اِعمالِ سیئہ سے حتیٰ کہ مشتبہات سے بھی اجتناب رہے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے "الحلالُ بَیّنٌ والحرامُ بیّنٌ وبینھما مُشتبہاتٌ فاستنزِھُوا عنِ المُشتبِھاتِ" یہ تقویٰ ہے۔

اَخلاقِ حمیدہ کا حصول برغبت اور اخلاقِ رذیلہ کا زوال بنفرت رہے، ان باتوں کے آثار یہ ہونگے کہ حسنِ کلام و حسنِ خلق حاصل ہوگا۔

حُسنِ کلام کی تعریف یہ ہے کہ الفاظ شستہ و شائستہ، نرم آواز کے ساتھ اور حُسنِ خُلق کی تعریف یہ ہے کہ حلم جس کو ہماری زبان میں بردباری کہتے ہیں۔ جہاں کہیں کوئی بات خلافِ طبیعت پیش آئے ناگوار ہو، اُسکو کلامِ حسن سے ٹال دے بردباری کیساتھ، جیساکہ اِرشادِ باری تعالیٰ ہے "وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ" جہاں کہیں ایسی بات پیش آئے اعراض کرجاؤ، ٹال دو،

اِیسی جگہ مت بیٹھو اور ایسا عمل مت کرو جو تہمت کا سبب بنے، جیسا کہ حدیث میں ہے "اِتَّقُوْا مَوَاضِعَ التُّهَمِ" تہمت سے بچنے کو نہیں فرمایا، بلکہ اُن جگہوں اور طریقوں سے بچنے کو فرمایا جو تہمت کا سبب بنیں۔

پھر فرمایا کہ مرشدی و مولائی حضرت مجدّد الملّت حکیم الامت نورَ اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ دُو لفظ ہیں، ایک دِھیان، دوسرا دُھن۔ دھیان تو یہ کہ ہر وقت اُٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا دھیان رہے اور دُھن یہ کہ تزکیۂ نفس کی ہر وقت دُھن رہے۔ یہ دونوں باتیں بڑی عجیب ہیں۔ اِن پر عمل کرتے رہو۔

کسی کے معاملے میں مت پڑو، دوسروں کے معاملات سے

علیحدہ رہو ، یہ شانِ مشیخت کے خلاف ہے ۔ کثرتِ ذکر اِس طرح رہے کہ زبان ہر دم ذاکر اور قلب توفیقِ ذکر و طاعت پر شاکر ، لین دین اور معاملات بالکل صاف رکھو۔

بس یہی باتیں ہیں جو بطور وصیت کر رہا ہوں ۔ اگرچہ ہمت نہیں ، پھر بھی بفضلہ تعالیٰ یہ وصیت کر دی ، احقر نے عرض کیا کہ دُعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ اِن تمام باتوں پر پوری طرح عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے ، انشاءاللہ بندہ حتی الامکان اِن باتوں پر عمل کرتا رہے گا ، حضرت والا نے دُعا فرمائی اور خوب دُعا فرمائی ۔

دوسرے روز بعد نماز فجر فرمایا ، اعمالِ حسنہ پر استقامت بالدوام حسن خلق کے ساتھ ، حُسنِ کلام نرم شائستہ الفاظ کے ساتھ جیسا کہ باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے ۔ وَقُل لِّعِبَادِيْ يَقُوْلُ الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ، حسنِ کلام حسن خلق کے ساتھ ۔

جب کبھی کوئی بات طبیعت کے خلاف ہو ناگوار گذرے حُسنِ کلام سے نرم الفاظ کے ساتھ ، حُسنِ خلق کے ساتھ ٹال جاؤ ، یا حلم کیساتھ خاموشی سے اعراض کر جاؤ ۔ اِرشاد باری تعالیٰ ہے ، "وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ"

پھر فرمایا حُسنِ خلق بڑی چیز ہے ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں وہ چیز بتا دوں جو اگر کوئی رات بھر عبادت کرے اور دن میں روزہ رکھے ، ایک سال تک وہ چیز اس سے بھی

افضل ہے ، صحابہؓ نے پوچھا یا رَسُولَ اللہ وہ کیا چیز ہے ، فرمایا کہ حسن خلق ، یہ بہت بڑی چیز ہے ۔

پھر فرمایا کہ اِس سے افضل چیز بتا دوں ، صحابہؓ نے سوچا کہ اِس سے افضل کون سی چیز ہوگی ۔ فرمایا اپنی بیوی کے ساتھ حُسنِ خلق نرمی کا برتاؤ (اسلیئے کہ بیوی کے ساتھ ہر وقت خلافِ طبیعت باتیں پیش آتی رہتی ہیں) اپنے عزیزوں ، دوستوں ، حتیٰ کہ دشمنوں سے بھی حسنِ خلق سے پیش آنا چاہیئے ۔

بس حُسنِ خلق ، حسن کلام کیساتھ ، اعمالِ حَسنہ کا اہتمام بالدوام برغبت ، اعمال سئیہ سے اجتناب بنفرت ، زبان ذاکر ، قلب شاکر ، اصلاح نفس کی دُھن ، اللہ تعالیٰ کا دھیان ۔ یہ ہی سارے تصوف کا نچوڑ ، بس اِس پر عمل ہوتا رہے ۔ یہ ارشادِ عالی مرشدنا و مولانا حضرت مجدد الملّت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نوراللہ مرقدہ کے ہیں یہ الفاظ احقر کے نہیں ۔

○

حضرت کا وصال

حضرت والا رحمۃ اللہ رحمۃ واسعہ ایک عرصہ سے بیمار تھے۔ وصال سے قبل بھی بیماری ضعف و نقاہت کا حال حسبِ سابق چل رہا تھا۔ کوئی خاص نمایاں تغیر نہیں تھا۔ ۱۶ر جمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ جمعرات کے دن خشکی زیادہ رہی اور اکثر اس قسم کی خشکی ہو جایا کرتی تھی۔ اس حال میں زیارت و ملاقات بھی ہوتی رہی۔ کسی پاس رہنے والے کو بھی احساس نہ ہو سکا کہ یہ حضرت والا کی حیاتِ طیّبہ کا آخری دن ہے۔

مورخہ ۱۷ر جمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ مطابق ۱۳ر نومبر ۱۹۹۲ء جمعہ کی شب میں حسبِ معمول حضرت والا نے عشاء کی نماز چارپائی پر اشاروں سے پڑھی۔ عادتِ شریفہ کے مطابق اس حال میں بھی چار رکعت تہجد وتر کے قبل پڑھی۔ بلغم اور کھانسی کی وجہ سے تنفس بڑھ گیا تھا۔ محترم جناب بھائی جان مدظلہ۔ جناب مولانا عنایت اللہ صاحب لندنی۔ مولانا آرزو میاں صاحب۔ ڈاکٹر نعیم احمد صاحب، مولانا توقیر احمد صاحب، یہ حضرات حضرت والا کے پاس

موجود تھے۔ اس تنفس کے حال میں خشکی بہت تھی بار بار حضرت والا کو پانی پلایا گیا۔ ایک مرتبہ سہارے سے بیٹھ کر بھی پانی نوش فرمایا چند مرتبہ آبِ زم زم چمچہ کے ذریعہ بھی پلایا گیا۔ مولانا عنایت اللہ صاحب لندنی نے سورہ یٰسین شریف پڑھی۔ حضرت والا اسی حال میں شروع ہی سے کلمہ طیبہ پڑھ رہے تھے اور ذکر بطریق پاس انفاس جاری تھا۔ بالکل آخر میں جبکہ آواز بھی نہیں نکل رہی تھی۔ ہر سانس کے ساتھ ذکر جاری تھا اور زبان حرکت کر رہی تھی اور سر کے ساتھ بھی اشارے سے قلب کیجانب حرکت فرمارہے تھے وصال سے چند لمحہ قبل کلمہ شہادت کی انگلی سے مثل اشارہ در تشہد چند بار اشارہ بھی فرمایا۔ چہرہ مبارک کو قبلہ رخ فرما لیا تھا۔ آخر دم تک ٹوپی کا خیال رہا اور بار بار ٹوپی کو سر پر ٹھیک کرنے کے لیے ہاتھ کو اٹھا رہے تھے اسی حال میں تلفظِ اللہ کے ساتھ آخری سانس نکلا اور آپ کی روح اِس جسدِ عنصری سے پرواز فرما کر رفیقِ اعلیٰ سے جا ملی اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیہِ رَاجِعُون۔

اِس طرح علم و معرفت کا یہ امام مسیحائے درد دل لاکھوں مریضانِ دل کو دوائے شفا پلا کر اِس جہاں سے چلا گیا ؎

آں طبیب جملہ علتہائے ما آں مسیحائے دلِ بیمار ما

یہ مورخہ ۷ جمادی الاول ۱۴۱۲ھ کی شب تھی اور سوا بارہ بجے کا وقت تھا۔ وصال کی خبر آناً فاناً بجلی کی طرح بلا کسی اہتمام خود بخود تمام اطراف و جوانب میں پھیل گئی اور محبّانِ صادق، مشتاقانِ دید کا ہجوم

ہونا شروع ہوگیا اور تقریباً دو ڈھائی لاکھ کا مجمع اکٹھا ہوگیا رات ہی میں تین بجے کے قریب حضرت والا کو غسل دیا گیا۔ مولانا عنایت اللہ صاحب، مفتی عبدالستار صاحب، مولانا قاسم صاحب اور آرزو میاں صاحب وغیرہ نے مسنون طریقہ پر حضرت والا کو غسل دیا اور کفن پہنایا۔ ڈاکٹر نعیم احمد صاحب اور مولانا توقیر احمد صاحب بھی شریک تھے۔

حضرت والا کے چہرہ انور پر عجیب پر کیف انوارات کی بارش ہو رہی تھی۔ تمام اہم مراکز دینیہ و مدارس اسلامیہ سے اہل علم حضرات جنازے میں شریک تھے۔

نماز جمعہ کے بعد نماز جنازہ پڑھنے کی تجویز ہوئی، چنانچہ نماز جمعہ کے بعد تین بجے حضرت والا کا جنازہ مجلس خانہ سے اُٹھایا گیا۔ چارپائی کے دونوں جانب لوہے کے لمبے لمبے پائپ لگائے گئے تھے۔ جنازہ مدرسہ میں لایا گیا۔ ہجوم کی کثرت کی وجہ سے چارپائی کو مدرسہ کی ٹنکی کے پاس رکھا گیا۔ ساڑھے تین بجے حضرت والا کے خادم خاص مولانا عنایت اللہ صاحبؒ نے نماز جنازہ پڑھائی، چار بجے مولانا مُحَمّد یونس صاحب شیخ الحدیث مظاہرالعلوم سہارنپور، مفتی خبیب احمد صاحب نائب مفتی مظاہرالعلوم سہارنپور اور مولانا آرزو میاں صاحب، ڈاکٹر کامل صاحب نے آپ کے جسد پاک کو قبر میں اتارا۔ پورے اہتمام کے ساتھ چہرہ انور کو قبر میں قبلہ رخ رکھا گیا۔ چونکہ مجمع کم و بیش تقریباً دو ڈھائی لاکھ تھا اس لیے کافی دیر تک تدفین کا سلسلہ چلتا رہا۔ آپ کی تدفین مدرسہ سے متصل قبرستان میں حضرت مفتی سعید احمد صاحبؒ اور امی جان مرحومہ کی قبروں کے درمیان

میں ہوئی۔ جس کے لیے کافی عرصہ قبل خود حضرت والا نے بھائی جان مدظلہ سے فرما دیا تھا۔ تدفین کے بعد بھی مسلسل لوگ عشق و محبت میں اس شعر کا مصداق بنے ہوئے چلے آ رہے ہیں۔ ؎

کششے کہ عشق دارد نگذارت بدینساں
بجنازہ گر نیائی بمزار خواہی آمد

والسلام

احقر رشید احمد میواتی مقام خانقاہ جلال آباد

۱۸ر جمادی الاوّل ۱۴۱۳ھ

؎ : حضرت مسیح الامتؒ کے وصال اور تجہیز و تکفین کی اجمالی کیفیت بروایتہ و بشکریہ مولانا رشید احمد صاحب میواتی مدظلہ مرقوم ہے۔

باسمہٖ تعالیٰ

مرثیۂ غم

قطب الارشاد شیخ المشائخ امام السلوک حضرت مولانا محمد مسیح اللہ خانصاحب قدس سرہٗ

خلیفۂ ارشد ــــــــــــ حکیم الامت مجدد الملۃ حضرت تھانوی نور اللہ مرقدہٗ

واحسرتا کہ آج مسیحائے دردِ دل
سوئے جناں خُلد یہاں سے چلا گیا

ماتم کناں ہیں جس کے زمین آسماں بھی
روتے ہیں جکو آج یہ سورج بھی چاند بھی

وہ مشفق و مربّی و ہمدرد و غمگسار
یوں اشکبار چھوڑ کر ہم کو چلا گیا

وہ بزم اشرفی کا گویا آخری چراغ
دے کر چلا گیا ہمیں فرقت کا اپنی داغ

جو اپنے زمانے کا امام سلوک تھا
یکتائے دہر، قطبِ زمانہ تھا، فرد تھا

وہ آسمانِ رشد و ہدایت کا آفتاب
جو تربیت کے باب میں تھا مثل ماہتاب

ہر فکر و غم کا جکی ایک نظر تھی علاج
وہ آج اس جہاں سے عزیزو چلا گیا

وہ حاتم زمانہ جو تھا قاسم العُلوم
تقسیم کر کے دولتِ دنیا و دیں گیا

وہ جس کے گھر پہ ہوتا تھا خلقت کا اژدہام
وہ جس کا در کھُلا تھا برائے خواص و عام

جکی دعائیں ہوتی تھیں مقبول و مستجاب
سب کو دعائے خیر وہ دے کر چلا گیا

جکو فناء شیخ کا حاصل مقام تھا
وہ تھانوی کی بزم کا عاشق چلا گیا

جو تھانوی کے ذوق و مسلک کا تھا امیں
وہ شارح علوم و معارف چلا گیا

جس نے دیا تھا درس قرآن و حدیث کا
وہ طالبانِ علم کا آیا چلا گیا

اس جامعہ مفتاح کے روتے ہیں بام و در
گلشن کو اپنا باغباں آتا نہیں نظر

سینچا تھا جس نے خونِ جگر آہ شجر سے — وہ آج اسکا مالی و نگراں چلا گیا

ہر سائل و غریب کا حاجت روا تھا جو — وہ دردمند و مشفق و داتا چلا گیا

ہر درد کی دوا تھا پانی پہ جس کا ایک دم — وہ دردِ دل کا ہائے مسیحا چلا گیا

شفقت سے پھیرا کرتا تھا سر پہ جو اپنا ہاتھ — وہ ہائے آج بچوں کا ابا چلا گیا

جو بعد عصر جاتا تھا بیٹی کے اپنے گھر — وہ آج اباجان کا ابا چلا گیا

ہر آن جو رکھتا تھا لختِ جگر کو پاس — وہ آج بھائی جان کا ابا چلا گیا

تعلیم جسکی یہ تھی کہ غصہ نہ پاس آئے — اور عدم اختلاط کی عادت ہی ڈالئے

حسن کلام و خلق نصیحت تھی آخری — اور خلاصہ تصوف کا دیا درس آخری

نہ شیخ ہی پھرے گا ہمیشہ تمہارے ساتھ — لیکن اسکی باتیں ہمیشہ رہیں گی ساتھ

تعلیم ہر ایک امر کی تلقین ہر نظام — یوں کرکے اپنا کام مسیحا چلا گیا

خود اپنی بزم رشد و ہدایت کا اہتمام — لختِ جگر کو سونپ کر اپنے چلا گیا

اب اُن کے خلفا میں ہیں آپ سب کے بھائی جان — اماں کے لاڈلے تھے یہ ابا کے جان جان

اے سلسلہ کے بھائیو اب تو یہ بات ہے — ناقل تو بھائی جان ہیں حضرت کی بات ہے

یہ سلسلہ مسیح کا جاری سدا رہے

آباد یہ کاشانہ علم و ھدیٰ رہے

از غم زدہ بندہ ——— رشید احمد میواتی

مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب جلال آبادی رحمۃ اللہ علیہ
خلیفہ خاص حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کے

خلفاء و مجازین کی فہرست

مجازین بیعت پاکستان

۱: جناب حاجی محمد فاروق صاحب۔	بیت الاشرف باغ حیات سکھر
۲: جناب ڈاکٹر محمد تنویر احمد خان صاحب۔	بنگلہ نمبر ۴ سی بلاک اے یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد
۳: جناب ڈاکٹر عبدالغفار شیخ صاحب	بیراج روڈ سکھر
۴: جناب کرنل ارشد ایاز	چوبرجی کوارٹرز ملتان روڈ لاہور
۵: جناب ڈاکٹر عقیل الدین احمد صاحب۔	۸۷۔اے ماڈل ٹاؤن لاہور
۶: جناب حبیب اللہ صاحب	ایس پی آئی ٹی سروس موڑ گجرات
۷: جناب حاجی محمد بشیر احمد صاحب	زمیندارہ بوٹ شاپ لیّہ
۸: جناب مولانا وکیل احمد صاحب شیروانی	۸۷۔ اے ماڈل ٹاؤن لاہور
۹: جناب خلیل احمد صاحب وکیل	۸۸۔ اے عبداللہ ٹاؤن سیکٹر ۱۱ بی نارتھ کراچی ۳۶
۱۰: جناب ڈاکٹر محمد سراج صاحب (ماہر چشم)	بنوں سرحد
۱۱: جناب اعجاز علی صاحب (للعوام)	سکھر

مجازین صحبت پاکستان

۱: جناب اکرام الحق صاحب	راولپنڈی

مجازین بیعت ہندوستان

۱: جناب مولانا محمد صفی اللہ خان صاحب المعروف بھائی جان — مہتمم جامعہ مفتاح العلوم، جلال آباد ضلع مظفر نگر یوپی

۲: جناب مولانا عبدالرحیم صاحب مدراسی — معہد العلوم الاسلامیہ کلمنیر آندھرا پردیش

۳: جناب مولانا محمد قمر صاحب — ۱/۸ ۔ پورہ منوہر داس اکبر پور الہ آباد

۴: جناب مولانا حکیم ذکی الدین صاحب — نظامیہ دواخانہ پرنام بٹ تملناڈو

۵: جناب مولانا نورالدین صاحب — مدرسہ تعلیم الاسلام ترال کشمیر

۶: جناب اہل اللہ صاحب — قاضی اسٹریٹ پرنام بٹ تملناڈو

۷: جناب مولانا قاری عبدالرحیم صاحب میواتی — مدرس جامعہ مفتاح العلوم جلال آباد، ضلع مظفر نگر۔ یوپی

۸: جناب پروفیسر سید علی شاہ صاحب مصدر کشمیر

مجازین بیعت ۔ جنوبی افریقہ، برطانیہ و امریکہ وغیرہ

۱: جناب مولانا اسمٰعیل صاحب کتھرادا — ویرلم نٹال

۲: جناب مولانا عبدالحق (احمد صادق) صاحب ڈیسائی : پورٹ ایلزبتھ کیپ پراونس

۳: جناب ڈاکٹر عبدالقادر منیا صاحب — لیڈی اسمتھ نٹال

۴: جناب مولانا عمر جی صاحب — دربن نٹال

۵: جناب مولانا اسمٰعیل ابراہیم صاحب کتھرادا — فراق ہیڈ، جنوبی افریقہ

۶: جناب ڈاکٹر اسمٰعیل منگیرا صاحب — جوہانسبرگ

۷: جناب الحاج ابراہیم صاحب تسبیح والا — ۲۲ ہیلی فیکس روڈ، ڈیوزبری برطانیہ

۸: جناب الحاج محمد بنا صاحب ری یونین

۹: جناب مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری : لندن

۱۰: جناب مولانا احمد صادق صاحب میتر : کیلیفورنیا امریکہ

مجازینِ صحبت ، جنوبی افریقہ و برطانیہ وغیرہ

۱: جناب الحاج یوسف کھرادا صاحب : ویرلم نٹال

۲: جناب مولانا محمد ہاشم صاحب راوات برطانیہ

۳: جناب مفتی رشید میاں صاحب واٹرفال ٹرانسوال

۴: جناب مولانا محمد ہاشم بوڑا صاحب جنوبی افریقہ

۵: جناب مولوی قاسم داؤد میتر صاحب جنوبی افریقہ

۶: جناب مفتی فہیم مائیت صاحب جنوبی افریقہ

۷: جناب یوسف تولکھی صاحب لی نیشیا جوہانسبرگ

تجدید اجازت

یہ وہ حضرات ہیں جو پہلے دیگر اکابر کی طرف سے مجاز تھے اُن اکابر کی وفات کے بعد ان حضرات نے حضرت مسیح الامتہ رح سے بیعت و تربیت کا تعلق قائم فرمایا اور حضرت مسیح الامتہ کی طرف سے بھی مجاز ہوئے۔

۱: جناب مفتی محمد وجیہہ صاحب ، شیخ الحدیث دارالعلوم اشرف آباد ٹنڈوالہ یار

(مجاز حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رح)

۲: جناب جسٹس مولانا محمد تقی عثمانی صاحب، جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی نمبر ۱۴

(مجاز حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحئی صاحب رح)

۳: جناب مولانا صوفی محمد سرور صاحب، جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور

(مجاز مفتی محمد حسن صاحب رح)

۴: جناب ڈاکٹر حفیظ اللہ صاحب، اناج بازار سکھر

(مجاز حضرت مفتی محمد حسن صاحب رح)

۵: جناب نواب عشرت علی خان صاحب قیصر، کراچی

(مجاز حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رح)

۶: جناب ڈاکٹر محمد عبدالواحد السید، الریاض

(مجاز حضرت حاجی محمد شریف صاحب

۷: جناب ماسٹر محمد عیسٰی خان صاحب، موضع حمید پور براستہ بچپورہ ضلع اعظم گڑھ

(مجاز حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب

۸. جناب ابوبکر احمد میمن صاحب، فرسٹ فلور کاپاڈیا مینشن آل ڈاکٹر نایر روڈ بمبئی آا

(مجاز حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رح)

وفات یافتگان

(وہ خلفائے کرام جو رحلت فرما گئے)

۱: جناب صوبیدار حاجی دوست محمد خان
محلہ راٹھوران مہندر گڈھ ریاست پٹیالہ

۲: جناب مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی
شیخ الحدیث جامع مفتاح العلوم جلال آباد

۳: جناب جسٹس انوار احمد صاحب پٹنہ

۴: جناب مولانا نادر حسن صاحب سہارنپور

۵: جناب قاضی عابد علی صاحب وجدی الحسینی، بھوپال

۶: جناب سید حسین صاحب، علیگڑھ

۷: جناب عبدالرحیم صاحب بلکی، کراچی

۸: جناب قاضی عبدالحیٔ صاحب، اوکاڑہ

۹: جناب حکیم عزیز الدین صاحب، کراچی

۱۰: جناب انعام الحق صاحب، راولپنڈی

۱۱: جناب عزیز الدین صاحب منڈی بہاؤ الدین

۱۲: جناب حاجی محمد اسماعیل صاحب منڈی بہاؤ الدین

۱۳: جناب حافظ جمیل احمد صاحب چرتھاول ضلع مظفر نگر

۱۴: جناب مولانا منشی موسیٰ یعقوب صاحب، راوت و بیرلم نٹال

مسیح الامّت کی حیاتِ طیّبہ کے

چند نقوش

از

مولانا رشید احمد صاحب میواتی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

پیش لفظ

اللہ رب العزت نے اپنے منعم علیہم بندوں کی راہ پر چلنے کی دُعا کی تعلیم سورۂ فاتحہ میں اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے اندر فرمائی ہے جسے بندۂ مومن نماز کی ہر رکعت میں مانگتا ہے اور انہیں منعم علیہم مقربینِ بارگاہِ قدس کی اِتباع کا حکم اللہ رب العزت نے وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ کے اندر فرمایا ہے انہیں انفاسِ قدسیہ کی صحبتِ بابرکت میں خدا ملتا ہے، انہیں کی کیمیا اثر نظروں سے تزکیۂ نفس و تربیتِ باطن ہوتی ہے جس پر فلاحِ دارین موقوف ہے جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَکّٰھَا۔ اسی لئے کہا ہے:

ے
نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا
دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے مؤمنین کو تقویٰ کے ساتھ صالحین کی معیّت کا حکم فرمایا چنانچہ ارشاد ہے یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَکُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ چونکہ اصل تقویٰ صالحین کی صحبت و معیّت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی لئے کہا ہے: ؎

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

لہذا چونکہ فلاحِ دارین اہل اللہ کی صحبت پر موقوف ہے اسی لئے سلف سے یہ طریق چلا آ رہا ہے کہ ان مقبولین و صادقین کے حالات و حکایات ملفوظات و مکاتیب مجالس و مواعظ کو ان کے خدّام مستفیدین نے قلم بند کیا ہے، جس سے بعد کے آنے والے بندگانِ خدا بھی مستفیض ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے۔ چونکہ جن اوصافِ حمیدہ کو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں چاہتے ہیں ان تمام اوصاف کا مجموعہ شریعت و طریقت کا عملی نمونہ انہیں اہل اللہ کی زندگیوں میں ملتا ہے۔

اسی لیے خیال ہوا کہ مرشدی و استاذی مسیح الامّت حضرت مولانا مسیح اللہ صاحب دامت فیوضہم کی حیاتِ طیبہ کے چند نقوش حسب قاعدہ مالا یدرک کلہٗ لا یترک کلہٗ لکھے جائیں۔ جس سے طالبینِ اہلِ سلسلہ خصوصاً اور جمیع مسلمین عموماً مستفید ہوں۔

ان چند سطروں کی کیا بساط ہے۔ حضرت والا دامت برکاتہم کو اللہ تعالےٰ نے جن کمالات سے نوازا ہے ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک

دفتر درکار ہے، اگر مستقل لکھا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، گو احصار پھر بھی ناممکن ہے۔ بقولِ حضرتِ سعدی علیہ الرحمۃ۔

نہ حُسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مُستسقی و دریا ہم چناں باقی

مگر اس خیال سے کہ اپنا بھی نام آپ کے تذکرہ نگاروں میں ہو جائے کیا عجب ہے کہ یہی نسبت باعثِ نجات بن جائے۔ وَمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔ آپ کی حیاتِ طیبہ کے یہ چند نقوش لکھے ہیں:

عرض نقشے است کز ما یاد ماند
کہ ہستی را نمی بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت
کند درکار مسکینے دُعائے

واضح رہے کہ جو حالات لکھے ہیں وہ خود براہِ راست حضرت والا دامت برکاتہم سے سُن کر لکھے ہیں اور جو واقعات دوسرے حضرات سے سُنے وہ حضرت والا کو سُنا کر تصحیح کرانے کے بعد لکھے ہیں اور پھر دوبارہ لکھنے کے بعد بھی تمام واقعات کو حضرت والا کو سُنا دیا گیا ہے۔ حتی الامکان اپنی طرف سے اس کی پوری کوشش کی ہے کہ صحیح واقعات و حالات لکھے جائیں۔

ولادتِ شریفہ

مژدہ اے دل کہ مسیحا نفسے می آید
کہ ز انفاس خوشش بوئے کسے می آید

آپ کی ولادتِ شریفہ ۱۳۲۹ھ یا ۱۳۳۰ھ میں آپ کے وطن سرائے برلہ تحصیل اترولی ضلع علی گڑھ میں ہوئی، بالتعیین بقید ماہ وسال تاریخ ولادت معلوم نہ ہو سکی۔ حضرت والا نے تاریخِ ولادت کے متعلق استفسار پر فرمایا کہ

بالتعیین تاریخ ولادت لکھی ہوئی نہیں ہے۔

اسمِ گرامی

آپ کا نام نامی مسیح اللہ خاں رکھا گیا، گویا اعجازِ مسیحائی کے وصف کو منجانب الغیب آپ کے اسم بامسمّٰی ہی میں مضمر کر دیا گیا۔ اکثر اسم کا اثر مسمّٰی پر ہوتا ہے مگر آپ پر تو یہ اثر اس درجہ غالب ہے کہ آپ تو سراپا مسیح ہیں۔ کتنے ہی اہلِ درد مریضانِ دل ہیں جن کی آپ ہر وقت مسیحائی فرماتے رہتے ہیں۔ کتنے شکستہ دل ہیں جن کی آپ دل جوئی فرماتے ہیں۔ کتنے بچے ہیں جن کیلئے آپ کی شفقت

ماں باپ سے بڑھ کر ہے اور آپ کی شفقتوں نے انہیں اُن کے ماں باپ کو بھلا دیا ہے، کتنی مخلوق ہے جن کی آرزوؤں اور تمناؤں کا مرکز آپ کی ذات ستودہ صفات ہے۔ کتنے اہلِ حاجت ہیں جن کی آپ حاجت روائی فرماتے ہیں۔ کتنی آنکھیں ہیں جن کے آنسو آپ کے دیدار سے تھم جاتے ہیں۔ کتنے ہی افسردہ چہرے ہیں جو آپ کے الطاف سے کھل جاتے ہیں۔ کتنا سچا ہے اس کا قول جس نے آپ کا اسم گرامی مسیح اللہ رکھا۔

خاندان

آپ کا تعلق شیروانی خاندان سے ہے جو ہمیشہ سے بہت سی خصوصیات کی وجہ سے پٹھانوں میں ممتاز چلا آیا ہے۔ اس خاندان میں بڑے بڑے رؤسا و اُمراء اہلِ جاگیر و ریاست اربابِ فن و اہلِ کمال صوفیاء و اہل اللہ پیدا ہوئے۔ گویا یہ خاندان ہی کانِ کمال ہے، جس میں ہمیشہ اہلِ کمال پیدا ہوتے رہے، اسی خاندان میں بڑے بڑے اُمراء ہوئے، جن کو شاہانِ ہند کے درباروں میں بڑا شرف و مرتبہ نصیب ہوا، اور بڑے بڑے خطابات و انعامات سے سرفراز ہوتے رہے، جن میں سکندر خاں شیروانی، عمر خاں شیروانی، سیف خاں شیروانی، فیروز خاں شیروانی اور نواب مزمل اللہ خاں شیروانی اور ان کے علاوہ بہت سے اُمراء خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پیشہ ہمیشہ جاگیرداری و زمینداری

گو یہ شیروانی خاندان پٹھان مشہور ہے۔ مگر تحقیق یہ ہے کہ آپ کا یہ شیروانی خاندان اصل سے سید ہے۔ چونکہ اس خاندان کے جدِ اعلےٰ سید حسین غوری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

مطابق بیان حاجی عباس خاں شیروانی مؤلف شیروانی نامہ خلیفہ عبد الملک کے زمانے میں سید حسین غوری غور سے نکل کر کوہِ سلیمان کے جوار میں بٹن بن قیس عبدالرشید کے ہاں آکر رہنے جو کہ پٹھان تھے چنانچہ لکھتے ہیں۔

"خلیفہ عبدالملک بن مروان کے زمانے میں سید شاہ حسین غوری کسی وجہ سے غور سے نکل کر کوہِ سلیمان کے جوار میں بٹن بن قیس عبدالرشید کے یہاں آکر رہنے"۔ شیروانی نامہ صفحہ ۱۹۔ ان سید شاہ حسین غوری نے ان پٹھانوں میں آکر اپنی شادی بھی بٹن بن قیس کی صاحبزادی متّو سے کر لی جن سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔ لودی اور سروانی۔ سروانی کی جو اولاد آگے چلی وہ سروانی کہلائی اور بعد میں کثرتِ استعمال کی وجہ سے شیروانی لقب مشہور ہو گیا۔

چنانچہ صاحب شیروانی نامہ لکھتے ہیں۔

"سید حسین شاہ غوری کی اولاد ہونے کے لحاظ سے لودی اور شیروانی دونوں سید ہیں، مگر مورخین نے ان کا شمار پٹھانوں میں اس وجہ سے کیا کہ دونوں نے بٹن بن قیس کی اولاد کے ساتھ پٹھان کے گھر

میں پرورش پائی اور اُن کی ماں متو بھی پٹھان کی اولاد سے تھی" شیروانی نامہ صٓ۲۰ ۔ صاحبِ شیروانی نامہ کی تحقیق ہے کہ یہ خاندان محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان میں آیا اور پھر یہیں بود و باش اختیار کرلی۔

وطن شریف

وَمَا حُبُّ الدِّيَارِ شَغَفْنَ قَلْبِیْ
وَلٰكِنْ حُبُّ مَنْ سَكَنَ الدِّيَارَ

آپ کا وطن شریف سرائے برلہ تحصیل اترولی ضلع علی گڈھ ہے سرائے برلہ کے متعلق مؤلف شیروانی نامہ لکھتے ہیں۔

"یہ موضع برلہ کا مزرعہ ہے، مگر آبادی دونوں جگہ کی متصل ہے اور ایک دوسرے کے قریب ہے جیساکہ نام سے معلوم ہوتا ہے۔ اسلامی عہد میں کبھی بسایا گیا مگر یہاں ہندو عہد کی کوئی پرانی آبادی تھی، کیونکہ راقم الحروف نے موسم برسات میں راستہ میں درمیان سے مٹی ہٹ جانے کے بعد پرانے زمانے کی بہت بڑی پختہ اینٹیں دیکھی ہیں، جہاں ایک شکستہ مندر گوشائیوں کا تھا اور اب تک دو گوشائیں خاندان آباد رہے۔ اس کی آبادی کے قریب جانبِ شمال مغرب گنج شہیداں ہے، جہاں کئی ایک شہداء کے مزار ہیں۔ یہ نہیں معلوم کہ کس زمانے کے ہیں، اس سے آگے اور موضع مدالپور کے قریب ایک پرانا کھیڑا ہے، جہاں پرانی آبادی کے نشانات ہیں"۔ شیروانی نامہ صٓ۲۰۳

آپ کا شجرۂ نسب آپ کے موضع سرائے برلہ کے مورثِ اعلیٰ صفات خاں تک مؤلف شیروانی نامہ نے اس طرح لکھا ہے۔

"مولانا مسیح اللہ خاں بن احمد سعید خاں بن جیون خاں بن شہباز خاں بن ممریز خاں بن صفات خاں۔"

نوٹ: مزید تفصیل کے ساتھ آپ کے شیروانی خاندان کے تاریخی حالات شیروانی نامہ، مؤلفہ حاجی عباس شیروانی میں ملاحظہ فرمائیں۔

بچپن

آپ مادر زاد ولی تھے، اور بچپن ہی سے سعادت و نجابت کے اوصافِ حمیدہ آپ کے اندر ودیعت کئے ہوئے تھے۔

حُسنِ صورت کے ساتھ حُسنِ سیرت کے بھی تمام کمالات اللہ ربّ العزت نے آپ کی فطرتِ سلیم کے اندر ودیعت فرما دیئے تھے۔

بالائے سرش ز ہوش مندی
می تافت ستارۂ بلندی

آپ کا خاندان بہت ہی با اثر و با ثروت تھا، اسی رئیسانہ ماحول میں جہاں تہذیب و شائستگی، آداب و اخلاق گھٹی میں پلائے جاتے تھے آپ نے پرورش پائی۔

آپ کے والد ماجد احمد سعید خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نہایت ذکی

قابل با اثر اور بہت بڑی انتظامی صلاحیتوں کے مالک تھے۔

چنانچہ حضرت والا نے فرمایا کہ :

والد صاحب کا ذہن انتظامی معاملات میں بہت چلتا تھا۔ چنانچہ جب کسی رئیس کا گاؤں بگڑتا تھا تو اس کے انتظام کو سنبھالنے کے لیئے انہیں کو بلایا جاتا تھا وہ جاکر سنبھالتے تھے، اسی طرح شادیوں کا انتظام بھی اکثر انہیں کے سپرد کیا جاتا تھا اور ہمارے تایا صاحب بہت پڑھے لکھے اور نازک مزاج آدمی تھے، البتہ والد صاحب نازک مزاج نہیں تھے، موٹا کھاتے تھے اور موٹا پہنتے تھے۔

بچپن ہی میں آپ کو ذکر و نوافل، نمازِ پنجگانہ کا بہت شوق تھا چنانچہ راتوں کو اُٹھ کر تہجد پڑھتے، ذکر کرتے اور دعائیں مانگا کرتے تھے نماز پنجگانہ کے علاوہ نوافل تہجد وغیرہ کی اہتمام کے ساتھ پابندی فرماتے تھے۔ نماز ہمیشہ مسجد میں باجماعت پڑھتے تھے۔ آپ کی پابندی فرمانے کا یہ اثر تھا کہ اتفاق سے کبھی اگر کسی وجہ سے آپ کو مسجد پہنچنے میں جماعت کے وقت پر دیر ہو جاتی تو نمازی آپ کا انتظار کیا کرتے تھے۔

نفل نماز کی طرح آپ نفل روزے بھی اکثر رکھا کرتے تھے۔ صالحین اہل اللہ کی صحبت میں بیٹھنا آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔ چنانچہ مولوی محمد الیاس صاحب مرحوم جو آپ کے دُور کے عزیزوں میں سے تھے اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ بچپن ہی میں آپ اُن کی صحبت میں بیٹھتے تھے اور اُن سے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ دعواتِ عبدیت

اور رسالہ النور وغیرہ لے کر مطالعہ فرمایا کرتے تھے۔ انہیں مواعظ کے دیکھنے سے حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ سے آپ کو غائبانہ ہی ایسی عقیدت ومحبت ہو گئی کہ بقولِ حضرتِ والا دامت برکاتہم پھر کسی دوسرے کیطرف خیال بھی نہیں گیا، گویا آپ اس شعر کے مصداق بن گئے۔

ہمہ شہر پر ز خوباں منم خیالے ماہے
چہ کنم کہ چشم یک بیں نکند بکس نگاہے

بہشتی زیور کا مطالعہ آپ نے اپنے ماموں صاحب سے لے کر کیا ادھر آپ کی فطرتِ سلیمہ اور ادھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ کے مواعظ و رسالہ النور وغیرہ کا اس عقیدت مندی کے ساتھ مطالعہ، اُس نے سونے پر سہاگہ کر دیا اور ابتدا ہی میں بہت اچھا دینی وعلمی ذوق آپ کو حاصل ہو گیا اس کم سنی ہی کے اندر اللہ رب العزت نے حیا وادب، وقار ومتانت سعادت ونجابت کے ان اوصاف سے نواز دیا کہ بڑے بھی آپ کا پاس ولحاظ کرنے لگے، حتیٰ کہ والد صاحب مرحوم بھی اسی پاس کی وجہ سے آپ سے حقہ نہیں بھرواتے تھے، انہیں اوصافِ حمیدہ کی بنا پر آپ نے سب کے دلوں میں جگہ پالی، اور سب اہلِ بستی بلا امتیاز ہندو مسلم اہلِ خاندان چھوٹے اور بڑے آپ کا لحاظ کرتے تھے۔ اسی طرح آپ سب کے پیارے اور ہر دل عزیز بن گئے۔ ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ کے والدِ محترم کے حقہ نہ بھروانے کے متعلق آپ نے یہ قصہ بیان فرمایا کہ والد صاحب حقّہ پیتے تھے مگر اس کے باوجود مجھ سے کبھی حقہ نہیں بھرواتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ منہ ڈھانک کر لیٹے ہوئے تھے میں گیا اور میں نے حقہ بھرنے کیلئے چلم اُتاری تو پوچھا، کون؟ میں نے کہا ننّھا (مجھے محبّت سے ننّھا کہا کرتے تھے)، فرمایا، تم نہیں پھر لیٹ گئے میں نے دوبارہ چلم اُتاری تو ذرا سختی سے فرمایا، نہیں رکھ دو،۔ بالآخر آپ کو حقہ نہیں بھرنے دیا۔ آپ کی دینداری، اطاعت شعاری و سعادت مندی کی وجہ سے آپ کے والد صاحب آپ کو مولوی صاحب کہا کرتے تھے۔ حضرتِ والا نے فرمایا کہ جب والد صاحب مجھے لحاظ کی وجہ سے مولوی صاحب کہہ کر پکارا کرتے تھے تو مجھے شرم آیا کرتی تھی۔

فطرةً ہی آپ کی طبیعت کا رنگ ایسا تھا کہ آپ کو غیر مشروع لہو ولعب گانے وباجے وغیرہ سے طبعی نفرت تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا واقعہ حضرتِ والا نے بیان فرمایا کہ میں گھر میں رات کو لیٹا ہوا تھا محلّے میں ہندوؤں نے گانا بجانا شروع کر دیا بس میری نیند اڑ گئی اور بے چین ہو گیا اور رونا آگیا۔ پھوپھی صاحبہ کو اطلاع ہوئی تو انہوں نے بیٹھک (مردانہ) سے حضرت والد صاحب کو جگایا وہ اُٹھے، دریافت کیا کیا بات ہے؟ پھوپھی صاحبہ نے میرے متعلق کہا کہ وہ رو رہا ہے۔ اس پر والد صاحب نے کہا، یہ خواہ مخواہ ایسی باتیں کیا کرتا ہے، وہ اپنا کام کر رہے

ہیں یہ اپنا کام کریں۔ عرض کیا گیا کہ اس کو بہت تکلیف ہے بند کرا دیجئے چنانچہ والد صاحب گئے لوگ بہت ڈرتے تھے، دیکھتے ہی سب بھاگ گئے۔

جنہوں نے بھی آپ کو بچپن سے دیکھا ہے سب نے آپ کے مادرزاد ولی، نیک فطرت، پاک طینت و سعادت مند ہونے کی شہادت دی ہے اور آپ کے مدّاح رہے ہیں۔

انہیں میں سے حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب لکھنوی قدس سرہٗ ہیں جن سے بندہ راقم الحروف کو شرف تلمذ و خصوصی طور پر خدمت میں رہنے کی سعادت حاصل ہے۔ حضرت مفتی صاحب موصوف نے حضرت والا کی حیاتِ طیبہ کو بچپن سے لے کر آخر تک دیکھا اور حضرت والا کے اُستاد بھی تھے۔ کئی سال تک آپ نے حضرت مفتی صاحب سے پڑھا تھا۔ مفتی صاحب نے متعدد بار بندہ سے آپ کے متعلق فرمایا کہ

یہ (حضرتِ والا) بچپن ہی سے حیا و ادب، وقار و حلم، ذکاوت و ذہانت کے اوصافِ حمیدہ کے حامل ہیں۔ حضرت مفتی صاحب خود بھی آپ کے اس درجہ معتقد تھے کہ باوجودیکہ آپ حضرت والا کے اُستاد تھے اور علم و فضل میں یگانۂ روزگار، بہت بڑے فقیہ و مُحدّث غرض کہ ہر فن میں آپ کو کمال حاصل تھا، پھر بھی آپ نے حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی وفات کے بعد آپ سے رجوع فرمایا۔

حالانکہ حضرت حکیم الامت کی طرف سے آپ مجازِ صحبت ہو چکے

تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی آپ سے رجوع فرمایا اور آپ کی جانب سے مجازِ بیعت بھی ہوئے۔

حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا آپ سے رجوع فرمانا اور آپ کے اوصافِ حمیدہ کی بچپن ہی کے زمانے سے تعریف فرماتے رہنا آپ کے مادرزاد ولی ہونے کی سب سے بڑی شہادت ہے، جیساکہ پہلے گذر چکا، دینی کتابوں سے آپ کو ایسا شغف تھا کہ ابتدائی عمر میں بہشتی زیور دعواتِ عبدیت اور رسالہ النور وغیرہ کے پڑھنے سے آپ کو کافی دینی معلومات حاصل ہوگئیں کہ لوگ آپ سے مسائل پوچھا کرتے تھے، آپ جب کسی دینی مسئلہ کو بیان فرماتے تو سننے والوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ گویا آپ نے کافی دینی تعلیم حاصل کی ہے، اسی سلسلہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ

لکھنؤ میں حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھنے کے زمانے میں آپ محمد مصطفٰی کاتب صاحب سے خوش نویسی کی مشق کے لیئے جایا کرتے تھے اور اکثر بہت تفصیل سے دینی مسائل کو بیان فرمایا کرتے تھے تو ایک مرتبہ محمد مصطفٰی صاحب کاتب نے دریافت کیا آپ کی دینی تعلیم کہاں تک ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ ابتدائی تعلیم ہے کنز وغیرہ پڑھی ہیں، اور بہشتی زیور اور حضرت تھانوی کے مواعظ کا مطالعہ کیا ہے، یہ سب حضرت تھانوی ہی کی برکت سے ہے تو اس پر ان کو بہت تعجب ہوا۔ بچپن میں ورزشی کھیلوں اور نشانہ وغیرہ کا بھی آپ کو شوق تھا۔ بچپن میں آپ نے تانت کی غلیل خوب چلائی، تلوار اور گدکا پھری میں بھی آپ کو کمال حاصل ہے اسکول

میں دوڑ کے اندر بھی، چونکہ آپ کا بدن ہلکا پھلکا تھا، آپ اکثر ساتھیوں سے آگے رہتے تھے

تعلیم

آپ نے بچپن میں ابتدائی تعلیم درجہ ششم تک سرکاری اسکول میں حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی بہشتی زیور اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے مواعظ کا از خود مطالعہ فرمایا، اسکول کی تعلیم میں بھی اپنے ساتھیوں سے آگے رہے اور اچھے نمبرات سے کامیاب ہوتے رہے مگر چونکہ شروع ہی سے آپ کی طبیعت دینی تعلیم کی طرف مائل تھی اس لیئے آپ نے اسکول کی تعلیم کیطرف سے بے التفاتی شروع کر دی۔

چنانچہ حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ والد صاحب نے اپنے شوق سے مجھے عربی پڑھانے نہیں بٹھایا تھا، میں نے ہی علی گڈھ جا کر اسکول میں کوتاہی شروع کر دی۔ امتحان ہی نہیں دیا اس پر والد صاحب کو گرانی ہوئی اور انہوں نے عربی کی طرف ڈال دیا۔ کافی عمر میں اپنے شوق سے ہی میں نے پڑھنا شروع کیا تھا۔ غالباً اس وقت میری عمر پندرہ سال کی تھی، جب میں نے فارسی شروع کی تھی، پھر عربی پڑھی، اسی لیئے فارغ ہونے میں دیر لگی اور غالباً بائیس تیئس سال کی عمر میں فراغت ہوئی فارسی

اور مشکوٰۃ تک عربی آپ نے اپنے وطن میں پڑھی اکثر کتابیں کئی سال میں مشکوٰۃ شریف تک اپنے وطن ہی میں حضرت مفتی سعید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں، اور مشکوٰۃ شریف اور ہدایہ سے لے کر دورۂ حدیث شریف تک دارالعلوم، دیوبند میں پڑھا، اور اس کے بعد بھی دو سال تک اُمور عامہ قاضی مبارک تصریح شرح چغمینی سبع سداد وغیرہ جملہ فنون کی آخری نصاب تک تکمیل فرمائی۔

قرأت میں ابتدائی کتب فوائد مکیہ، جمال القرآن دارالعلوم میں داخل ہونے سے قبل پڑھیں اور جزری وغیرہ فن کی دوسری کتابیں آپ نے دارالعلوم میں پڑھیں۔ زمانۂ تعلیم میں آپ کامل یک سوئی اور پورے آداب کے ساتھ تحصیل علم میں منہمک رہنے ادھر حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی بیعت کا تعلق ہو چکا تھا اسی وجہ سے تمام طلباء میں آپ کو ایک خصوصی امتیاز حاصل تھا اور اساتذہ کرام آپ سے خوش رہنے کی وجہ سے آپ کا بہت لحاظ فرماتے تھے۔

اساتذۂ کرام

اساتذہ کرام میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ، حضرت مولانا سید اصغر حسینؒ صاحب دیوبندی حضرت مولانا اعزاز علی صاحبؒ، حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاویؒ حضرت مولانا محمد رسول خاں

صاحبؒ، مولانا محمد الیاس خاں صاحب برلویؒ کے اسمائے گرامی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

بیعت

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ سے غائبانہ عقیدت تو آپ کو بہشتی زیور و مواعظ وغیرہ کے دیکھنے سے بچپن ہی میں پوری طرح ہو چکی تھی جس کے متعلق حضرت والا نے فرمایا کہ، حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے غائبانہ ایسی عقیدت تھی کہ باوجودیکہ بہت سے مشائخ کو دیکھا اور ان کے حلقہ میں بھی بسا اوقات بیٹھنے کا اتفاق ہوا، مگر حضرت کے علاوہ کبھی کسی دوسرے کی طرف خیال بھی نہیں ہوا۔

آپ نے پہلی مرتبہ حضرت حکیم الامت کی زیارت علی گڈھ میں فرمائی جس سال آپ دارالعلوم تشریف لائے، اُسی سال آپ نے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ سے اصلاحی تعلق قائم فرما لیا اور باقاعدہ خط و کتابت اصلاحی سلسلے کی شروع کر دی۔ پھر اُسی سال یا دوسرے سال آپ نے بیعت کی درخواست کی جس پر بعد مغرب حضرت حکیم الامتؒ نے آپ کو بیعت فرما لیا۔

اصلاحی تعلق ہونے کے بعد ہی سے آپ برابر پوری پابندی کے ساتھ حضرت حکیم الامت کی خدمت میں حالات کی اطلاع فرماتے

رہے اور حسب ارشاد تبلیغ دین کا مطالعہ فرمایا۔ دارالعلوم میں طالب علمی کے زمانے میں آپ کا معمول یہ رہا کہ ۱۵ ر شعبان کی چھٹیوں میں امتحان سے فارغ ہو کر آپ تھانہ بھون تشریف لے آتے اور رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں گھر تشریف لے جاتے اور مختلف اوقات میں بھی ششماہی وغیرہ کی چھٹیوں میں تشریف لاتے رہتے۔

زمانۂ طالب علمی میں آپ پر عبدیت، رحمدلی اور توحید کا بہت غلبہ ہوا آپ نے اپنا وہ حال حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں لکھا جو مع حضرت حکیم الامتؒ کے جواب کے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

مسیح اللہ، دارالعلوم، دیوبند ۹ ار رجب ۱۳۵۰ھ

حضرت مرشدنا ماؤانا وملجانا عمت فیوضہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، حضرت کا یہ غلام بدتر از خلائق عرصہ سے اپنے اندر ایک تغیر پاتا ہے، جس کی اطلاع کا ارادہ اسی وقت تھا مگر خیال ہوا کہ یوں ہی معلوم ہوتا ہے، خیال ہی خیال ہے کہ تغیر ہوا ہے، مگر جب عرصہ گذر گیا اور اس میں زیادتی دیکھی پھر اپنا فرض سمجھا کہ حضور والا کو اطلاع کرکے حسب ارشاد اتباع کرے کہ یہ اپنا فرض عین ہے گذشتہ سال تک اپنی یہ حالت تھی کہ اگر خلافِ طبیعت کسی سے کوئی بات ہو جاتی تو بہت ناگوار ہوتا تھا کہ ناراض بھی ہو جاتا اور اس کا اثر اس سال کے شروع میں بھی رہا۔ رفتہ رفتہ اب بہت عرصہ سے یہ حالت ہے کہ خلاف طبیعت وقاعدہ ہونے پر قلب کو تکلیف تو ہوتی ہے۔ مگر غصہ تو

کیا ناگواری بھی نہیں ہوتی یہاں تک کہ بعض دفعہ نان بائی بڑی دیر سے کھانا لایا، کبھی بالکل نہیں لایا۔ انتظار میں فاقہ کرنا پڑا۔ دھوبی نے وقت پر کپڑے نہ دیئے، کبھی لے نہ گیا اور کبھی خود ڈال آیا، کبھی ہاتھ سے دھوکر پہن لیئے مگر ان بیچاروں سے ناراض ہونے کو غصہ کرنے کو دل نہیں چاہتا کبھی نرمی سے سمجھا بھی دیا تو خیال ہوا کہ شاید ناگواری ہوئی ہو۔ دوسرے وقت احقر معافی چاہتا ہے اور خوش کرنے کو کچھ پیسے زائد دیدیتا ہے حضرت واللہ ایسے موقع پر فوراً یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اس غلام میں اور ان بے چاروں میں کوئی فرق نہیں ہے اور یہ خیال آتا ہے کہ یہ سب میرے محبوب کے ہیں پھر تو کچھ کہنے کی ہمت نہیں ہوتی، شرم آتی ہے کہ اس نالائق سے محبوب خدا کے کسی مخلوق کو تکلیف پہنچے، حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ خادم سے کسی کو ایذا نہ ہو، حضرت اس کا یہ اثر ہے کہ بھڑ تک کے مارنے کو دل نہیں چاہتا۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ نابکار سب سے بدتر روز و شب خدا کی نافرمانی کرتا رہتا ہے۔ اللہ تعالی معاف فرماتے رہتے ہیں، اگر گرفت فرمائیں کہیں ٹھکانہ نہ رہے۔ یہ لوگ بیچارے تیری طبیعت کے خلاف کر دیتے ہیں۔ کیا یہ نہیں ہوتا کہ تو ضبط کرے اور تیری طبیعت ہی کیا جو ناگواری ہو۔ حضرت یہ بھی دل میں آتا ہے کہ سب من جانب اللہ ہے کہ کوئی کھانا نہ لایا، کسی نے کپڑے نہ دھوئے کسی نے کچھ گم کر دیا، حالانکہ ایسے وقت میں یہ خیال آتا ہے کہ یہ جانور موذی ہیں اور موذی کے مارنے کا حکم ہے اور ان افعال میں ان لوگوں کے کسب کو دخل ہے، اگر ان جانوروں کو مار دیا جائے اور ان لوگوں کو کچھ کہہ دیا جائے اور

کہتے وقت اپنے بڑے ہونے کا خیال قطعاً نہ آوے اوران بے چاروں کو چھوٹا و حقیر نہ سمجھ کر کہا جائے تو کوئی حرج نہ ہوگا گناہ نہ ہوگا مگر حضرت واللہ یہ خیال کہ یہ سب میرے محبوب کے ہیں ان باتوں سے روکتا ہے کسی سے کچھ کہنے کو دل نہیں چاہتا۔

فقط والسلام

جواب حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ

مبارک ہو، مگر بھڑ میں قدرے ترمیم کی ضرورت ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ اورکسی کو بتلا دیا کہ یہ بھڑ بیٹھی ہے۔

ایک مرتبہ اس خط کے واقعہ کو بیان فرمانے کے بعد حضرتِ والا نے فرمایا کہ میری طبیعت کا یہ رنگ ابھی تک گیا نہیں، خود کبھی کسی جانور کو نہیں مارتا، اتفاق سے کبھی مار دیا تو مار دیا ورنہ اکثر دوسروں کو بتلا دیتا ہوں چنانچہ ایک مرتبہ مجلس میں ہم خدام بیٹھے ہوئے تھے کہ گدے میں سے حضرت والا کو کسی کھٹمل نے کاٹ لیا۔ حضرت نے دیکھ کر فرمایا کہ وہ ہے چھوٹا سا چنانچہ حاضرین میں سے مولوی محمد ہاشم صاحب رادت نے کھڑے ہو کر اس کھٹمل کو پکڑ کر باہر لے جاکر مار دیا اسی طرح ایک مرتبہ حضرتِ والا نے ذکر کے متعلق اپنا حال حضرت حکیم الامت رح کی خدمت میں لکھا جس پر حضرت حکیم الامت نے جواب میں لکھا کہ آپ جو ذکر و شغل چاہیں جسطرح چاہیں کریں عام اجازت ہے اور اس پر یہ بھی فرمایا کہ بہت کم ایسا ہے کہ میں نے کسی کو اس طرح اجازت دی ہو۔

خلافت

جس سال آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اس سال بھی حسب معمول آپ ۱۵ر شعبان کے بعد تھانہ بھون تشریف لے آئے اور رمضان المبارک کے اخیر عشرہ میں گھر تشریف لے گئے۔ وہاں سے آپ نے حالات کا خط لکھا جس پر حضرت حکیم الامت نے آپ کو خلافت مرحمت فرمادی کہ میری طرف سے آپ کو تعلیم و تلقین و بیعت کی اجازت ہے۔ یہ خوب قِران السعادتین ہوا کہ جس سال ۱۵ر شعبان ۱۳۵۱ھ کو آپ دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے اسی سال ۲۵ر شوال ۱۳۵۱ھ کو حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ نے آپ کو خلافت سے سرفراز فرمایا۔

مخصوص خلفاء میں

ادھر آپ کے فطری اوصاف سعادت و نجابت اتباع و انقیاد کی وجہ سے اکتسابِ فیوض کی استعدادِ تام اُدھر مرشد حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی آپ کے ان اوصافِ خصوصی کی وجہ سے آپ پر غایتِ توجہ و شفقت جس کی وجہ سے اس کم عمری ہی میں آپ کا شمار مخصوص خلفاء میں ہونے لگا چنانچہ جب حضرت حکیم الامت نے اپنی علالت کے زمانے میں گیارہ مخصوص خلفاء کے نام ایک اعلان کے ذریعے شائع فرمائے جس میں تحریر فرمایا تھا کہ

اپنے چند مجازین کے نام لکھتا ہوں جن کی طرز تعلیم پر مجھے اعتماد ہے۔ ان میں سے جس سے چاہیں اپنی تربیت متعلق کرلیں[1] ان گیارہ مخصوصین میں آپ کا نام نامی بھی تھا جس سے بہت سے حضرات کو تو آپ کی نوعمری کی وجہ سے تعجب ہوا کہ آپ سے پہلے خلافت یافتہ بہت سے حضرات موجود تھے بحمد اللہ تعالیٰ ان مخصوصین میں سے اب صرف حضرت والا کی ذاتِ گرامی بقیدِ حیات ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھیں۔ آمین۔

آپ کی تعلیم و تربیت پر خصوصی اعتماد

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کو آپ کی تعلیم و تربیت پر ایسا خصوصی اعتماد تھا کہ ایک مرتبہ خانقاہ شریف سے ایک شخص کو کسی وجہ سے نکال دیا اور کئی سال تک وہ خانقاہ سے نکلے ہوئے رہے۔ حضرت حکیم الامت کی خدمت میں ان کے متعلق بہت سفارشیں ہوئیں حضرت مولانا شبیر علی صاحب مرحوم نے بھی سفارش فرمائی۔ اس پر حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ اچھی بات ہے اس شرط پر اجازت ہے خانقاہ میں آنے کی کہ مولوی مسیح اللہ خانصاحب سے اپنا اصلاحی تعلق قائم کرلیں اور ہر ماہ جو خط و کتابت ہو وہ مجھے دکھلا دیا کریں۔ حضرتِ والا نے اولاً تو ان صاحب سے اصلاحی تعلق سے معذرت فرمادی پھر حضرت مولانا شبیر علی صاحب مرحوم

[1] سیرتِ اشرف ص ۱۶۴

نے آپ سے بھی سفارش فرمائی، اس پر آپ نے ان کا اصلاحی تعلق منظور فرما لیا۔ اس کے بعد سے دو تین سال تک برابر حضرت حکیم الامت اصلاحی خط و کتابت کو ملاحظہ فرماتے رہے مگر الحمدللہ کبھی کوئی اصلاح آپ کے جوابات پر نہیں فرمائی۔ چنانچہ حضرت والا نے بیان فرمایا کہ چاند کا مہینہ جب ختم ہوتا تھا تو ہم کانپتے تھے کہ آج ہماری اصلاحی مکاتبت پیش ہوگی کہیں گرفت نہ ہو جائے۔ تقریباً دو یا تین سال تک برابر یہ سلسلہ چلتا رہا میری بھی خانقاہ میں اس دوران میں برابر حاضری ہوتی رہتی تھی۔ مگر الحمدللہ کبھی کوئی گرفت اس تحریری اصلاح پر نہیں فرمائی۔ پہلی تاریخ کے بعد جب میں حاضر ہوتا تھا تو ڈرتا تھا کہ خطوط کے جوابات میں کوئی بات پکڑی نہ جائے۔

یہ شرف بھی کم کسی کو نصیب ہوتا ہے کہ شیخ مجازِ بیعت فرمانے کے بعد اتنی طویل مدت تک ان کی اصلاحی خط و کتابت کو ملاحظہ فرمائیں اور پھر اتنی طویل مدت میں کہیں کوئی گرفت نہ ہو اور خصوصاً حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کے ہاں تو کسی قسم کی رو رعایت اس سلسلہ میں نہیں تھی مگر چونکہ آپ کی تعلیم و تربیت ماشاء اللہ باضابطہ تھی، اس لئے کہیں بھی تنبیہہ کی نوبت پیش نہ آئی۔

عیسیٰ اور مسیح سب سے بڑھ گئے! حکیم الامتؒ کا ارشادِ گرامی

حضرت والا نے فرمایا کہ مجھ سے معتمد ملنے والوں نے اس ملفوظ کو نقل کیا

کہ ایک مرتبہ کسی کے دریافت کرنے پر حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے فرمایا کہ عیسٰی اور مسیح سب سے بڑھ گئے۔

حضرت حکیم الامتؒ نور اللہ مرقدہٗ کی زبان فیض ترجمان سے یہ تمغۂ تخصص و بشارتِ عظمٰی آپ کے کثرتِ فیوض علو مرتبت و مقبولیتِ بارگاہِ الٰہی کی شہادت ہے جس کا حرف بحرف تمام و کمال آج مشاہدہ ہو رہا ہے۔

خصوصاً حضرت حکیم الامتؒ جن کے یہاں مدح و ذم دونوں کیلئے بچے تُلے الفاظ ہوتے تھے اُن کی زبانِ فیض ترجمان سے یہ تعریفی کلمات کہ عیسٰی اور مسیح سب سے بڑھ گئے۔ مدح و توصیف کے بڑے بڑے سپاس ناموں سے بڑھ کر ہیں۔

آپ کی تعلیم و تربیت کے بالترتیب ہونے کی تعریف

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے آپ کے متعلق فرمایا کہ بالترتیب اُن کی طبیعت میں انتظام ہے۔ لہٰذا ان کی تعلیم بالترتیب ہوتی ہے۔

حضرت حکیم الامّت کا مجمع عام میں

آپؒ کے متعلق اظہارِ محبّت

ایک مرتبہ حضرت حکیم الامت جلال آباد جلسہ میں تشریف لائے ہوئے تھے۔ سب لوگوں کے سامنے آپ نے فرمایا کہ میرے جی میں ایک بات ہے اُسے میں کیوں نہ کہدوں اور میں سب کے سامنے صاف صاف کہتا ہوں کہ مولوی مسیح اللہ صاحب سے مجھے محبّت ہے۔

آپ کے وارداتِ قلبیہ کے متعلّق

ارشادِ گرامی

حضرت حکیم الامّت نوّر اللہ مرقدہٗ نے حضرت والا کو فرمایا کہ جو بات بار بار تقاضے کے ساتھ تمہارے دل میں آوے بس اسی پر عمل کرلینا حضرت والا نے اس ملفوظ کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ چنانچہ جب کسی کے اصرار پر اس بنا پر کہ میری طبیعت میں مُروّت بہت زیادہ ہے۔ خلاف کرتا ہوں تو نقصان اُٹھاتا ہوں۔

حضرت حکیم الامّتؒ کے اس ارشادِ گرامی میں آپ کے جلائے قلب وصفائے باطن نیز درودِ اسرار وعلوم وہبی کی بشارت ہے چنانچہ

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ التکشف میں وار داتِ قلبیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

"جب ذکر اللہ کی مواظبت و ریاضت و مجاہدات کی کثرت سے ظلماتِ نفسانیہ وکدوراتِ طبیعیہ کا ازالہ ہو جاتا ہے اور قلب و روح کو حق تعالیٰ کے ساتھ ایک نسبتِ خاصہ وتعلق مخصوص پیدا ہو جاتا ہے اس وقت قلب پر بلاواسطہ اسباب ظاہری تحصیلِ سماع وغیرہ کے کچھ اسرارِ لطیفہ وعلومِ شریفہ کا ورود و القاء ہونے لگتا ہے"

حضرت حکیم الامت قدس سرہٗ کی

آپ کے طریقِ بیعت کی تائید وتصدیق

ایک شخص نے آپ سے بیعت کی درخواست کی، چونکہ ہمیشہ سے آپ پر تواضع غالب ہے، اس لئے پہلے آپ نے ان سے انکار فرمایا، بعد میں اُن کے مزید اصرار پر ان کو چند کتابوں کے مطالعہ کیلئے فرمایا جب انہوں نے ان کا بھی مطالعہ فرمالیا اور پھر درخواست کی تو آپ نے ان کو بیعت فرمالیا۔ اس کے بعد حضرت حکیم الامت رح کی خدمت میں مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا جس میں سارے حالات آپ نے بالترتیب مفصّل تحریر فرمائے۔ اس کے جواب میں حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ نے شروع سے لے کر اخیر تک آپ کے

طریقِ بیعت و تعلیم کی تصویب و تصدیق فرمائی۔ وہ مکتوبِ گرامی مع جواب کے ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

از مکتوب حضرت والا دامت برکاتہم

"ایک صاحب جن کی عمر تقریباً پچاس سال کی ہوگی، مدت سے اصلاح کی فکر میں تھے۔ ملازم پیشہ ہیں، مگر ان کی سمجھ میں کوئی پیر نہ آیا تھا۔ یہاں اپنے مکان پر چھٹی لے کر آئے تو بعض اپنے احباب سے تذکرہ کیا۔ انہوں نے احقر کا ذکر کیا، وہ صاحب تشریف لائے، احقر کو بخدا شرم معلوم ہوئی انکار کیا بعض دوسرے حضرات کے اسماء بتلا دیئے، مگر وہ مُصر رہے۔ احقر نے کہا، جلدی کیا ہے آپ بھی ابھی یہاں ہیں اور میں بھی، آپ خوب اچھی طرح دیکھ بھال لیجئے اس وقت تو تشریف لے گئے، بعد دو ایک روز پھر آئے کہنے سننے لگے تو احقر نے کہا بہشتی زیور کا مطالعہ کیجئے۔ انہوں نے اس کا مطالعہ کیا، پھر تشریف لائے اور کہنے لگے کہ اب تعطیل ختم ہو رہی ہیں۔ مدت سے تلاش میں تھا کہ کسی سے بیعت ہوں، مگر حسبِ منشاء کہ عالم بھی ہو نہ ملتا تھا اب اَلحمدُ للہ آپ حسب منشاء ہیں، احقر نے کہا کہ آپ قصد السبیل دیکھئے۔ آداب الشیخ والمرید کا مطالعہ کیجئے پھر دیکھا جائے گا۔ بے چاروں نے سب کو دیکھا، چند دن کے بعد پھر کہا تو احقر نے بیعت کر لیا۔

احقر نے یہ حال اس لیے عرض کیا ہے کہ حضور اصلاح فرمائیں

اس ترتیب سے ان کو بیعت کرنا مناسب ہوا یا نہیں؟ یا ایک مدت تک اصلاح کا تعلق رہنے کے بعد بیعت کیا جاتا ہے"

جواب حکیم الامت قدس سرہٗ

"دونوں طریق مسلوک ہیں، جس شخص کے لیے جس طریق کو دل قبول کرے" (عریضہ) "یہ صاحب مہینہ میں دو خط بھیجتے ہیں احقر کا خیال ہے کہ جب تک مناسبت نہ ہو دل ثبوت نہ دیوے پختہ تعلق کا اس وقت تک بیعت کرنا ٹھیک نہیں، چنانچہ بعض صاحب کو اسی بنا پر باوجود کئی بار کہنے کے بیعت نہیں کیا، یہ خیال غلط ہے یا صحیح"

(جواب حکیم الامت) ——— "بالکل صحیح ہے"

(عریضہ) "یہ صاحب کسی قدر بدعت کی طرف مائل تھے، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ یہ بات بالکل معدوم ہے۔ بہشتی زیور دیکھنے کی تاکید کر دی ہے۔ دس تسبیح اللہ اللہ کی، دس تسبیح نفی و اثبات بتا دی ہیں، فی الحال چونکہ ملازم ہیں، اس لیے ناجائز آمدنی سے بچنے کی تاکید کی خط آیا لکھا ہے کہ میں حرام آمدنی سے پرہیز کرتا ہوں، احقر نے اس پر لکھا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ دل خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ مزید توفیق عطا فرما دیں۔

"یہ جواب کیا مناسب تھا؟"

(جواب حکیم الامت) ——— "بالکل مناسب ہے"

اس مکتوبِ گرامی سے جہاں آپ کے طریقِ بیعت و تعلیم و تربیت طالب کے حسبِ حال مناسب تجویز اور طریقِ اصلاح کی حضرت حکیم الامت

نور اللہ مرقدہٗ کی جانب سے تصویب وتصدیق ظاہر ہوئی، وہیں پر آپ کا اپنے مُرشد سے سعادت مندانہ کامل تعلق بھی ظاہر ہوا کہ آپ نے مجازِ بیعت ہونے کے باوجود بھی ہر امر میں اپنے شیخ سے تفصیلی طور پر مراجعت فرمائی جس سے یہ ثابت ہوا کہ مجازِ بیعت ہونے کے بعد بھی کبھی اپنے شیخ سے مستغنی نہ ہونا چاہیئے۔ آپ کا طریق بعینہٖ حضرت حکیم الامّت قُدِّسَ سِرُّہٗ کے ارشاد کے مُطابق ہے جس کا جیسا حال ہوتا ہے۔ اسی کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ بیعت واصلاح کے سلسلے میں فرماتے ہیں، کسی کو حسبِ حال قبل از بیعت اس کے مناسب کتابوں کے مطالعہ کا حکم فرماتے ہیں۔ کسی کو کچھ مدّت تک مجلس میں بیٹھنے کیلئے فرماتے ہیں۔ کسی کو بلا اس کے ہی بیعت فرمالیتے ہیں۔

آپ کے رؤیائے صالحہ

سَلَف صَالِحین کی جانب سے آپ کے مُتعلق مُبشّراتِ مَنَامِی

آپ کو منامی طور پر سلف صالحین کی جانب سے بڑی بڑی نیک بشارتیں ہوئیں اور اَلحَمدُ لِلّٰہِ وہ سب روزِ روشن کی مانند ظاہر ہو رہی ہیں انہیں مُبشّرات کے متعلق حدیث پاک میں ہے:

قَالُوا مَا المُبَشِّرَاتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

اَلرُّؤیَا الصَّادِقَۃُ وَبِہٖ فسر قولہ تعالیٰ لَھُمُ الْبُشْریٰ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنیا۔

یعنی صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبشرات کیا ہیں، آپ نے فرمایا، صالح خواب اور یہی تفسیر ہے اللہ تعالےٰ کے قول لھم البشریٰ کی یعنی ان کیلئے خوش خبری ہے دنیا کی زندگی میں۔

آپ کے رؤیائے صالحہ کے متعلق

حضرتِ حکیم الامتؒ کا ارشادِ گرامی

ایک مرتبہ وصل بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آپ نے خواب دیکھا، جب آپ نے اس خواب کو لکھ کر حضرت حکیم الامت کی خدمت میں پیش کیا تو حضرت حکیم الامتؒ نے دوسرے حضرات سے فرمایا کہ میرے ایک دوست نے وصل بلگرامی کو خواب میں دیکھا ہے جن کو خوابوں سے مناسبت ہے اور آپ کے اس خواب کو مجلسِ عام میں پڑھ کر بھی سُنایا اور اس کے بعد رسالے میں شائع کرنے کیلئے مولانا شبیر علی صاحب مرحوم کے حوالے فرمایا۔

حضرت حکیم الامت کے ارشادِ گرامی سے آپ کی رویائے صالحہ کے ساتھ مناسبت کی تصدیق ہوتی ہے جیسا کہ حضرت حکیم الامت

کے ارشادِ گرامی سے ظاہر ہے ـــ چنانچہ وصل بلگرامی مرحوم کو خواب میں دیکھنے کے سلسلہ میں حضرت والا دامت برکاتہم نے واقعہ بیان فرمایا کہ میں اپنے خواب حضرتِ والا کو سُنایا کرتا تھا ـــ وصل بلگرامی مرحوم کی وفات کے بعد میں نے اللہ تعالیٰ کو خواب میں دیکھا کہ اُن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ہم نے اُن کو بخش دیا۔ چونکہ ہمارے محبوب اُن کی رعایت کیا کرتے تھے۔ لہٰذا ہم نے بھی ان کی رعایت کی اور بخش دیا، یہ خواب میں نے پرچے پر لکھ کر حضرت والا کی خدمت میں پیش کیا۔ خواب طویل تھا، اب پورا یاد نہیں رہا۔ حضرت والا نے دیکھ کر فرمایا کہ میں تو انتظار ہی میں تھا کہ میرے دوستوں میں سے ان کو کوئی خواب میں دیکھے، میں نے میرے محبوب کے لفظ پر حاشیہ میں لکھا تھا،

حضرت والا نے اس پر دریافت فرمایا یہ کیسے معلوم ہوا کہ میرے محبوب سے میں مراد ہوں، میں نے عرض کیا کہ علم ضروری کے طور پر۔ اس پر حضرت والا نے فرمایا کہ۔ "ٹھیک ہے"۔

خواب میں دیدارِ الٰہی و زیارتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو دو مرتبہ خواب میں دیکھنا تو یقیناً یاد ہے، اور تیسری مرتبہ میں بھول ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت تو بہت مرتبہ ہوئی ہے۔

حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی رح

کی جانب سے

بشارت کثرتِ فیض

حضرتِ والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ بغرضِ علاج حضرت والا (حکیم الامت قدس سرہٗ) لکھنؤ تشریف لے گئے تھے اس زمانے میں میں نے خواب میں دیکھا کہ میں لوہاری میں ایک مکان کے بالاخانہ پر ہوں، حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہٗ کو جب میرا آنا معلوم ہوا تو بالاخانہ پر مکان کے زینے سے تشریف لائے جب مجھے معلوم ہوا کہ بالاخانہ پر حضرت میاں جی صاحب میرے پاس تشریف لا رہے ہیں تو میں استقبال کیلئے اُٹھ کر چلا، دیکھا کہ حضرت میاں جی صاحبؒ زینے کے اُوپر کے حصّہ میں تشریف لا چکے ہیں۔ حضرت میاں جی صاحبؒ تشریف لائے ملاقات ہوئی اور اسی کمرہ میں تشریف لے آئے۔ جس میں میں ٹھیرا ہوا تھا، میں نے ادب کی وجہ سے اپنے بیٹھنے کی جگہ حضرت میاں جی صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کو بٹھایا اور خود سامنے بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ حضرت چائے بناؤں، فرمایا کہ بناؤ۔ چنانچہ میں نے خود چائے بنائی اور پیش کی۔ حضرت میاں جی صاحبؒ نے چائے نوش فرمائی اور مجھے بھی ایک پیالی عنایت فرمائی، جب میں نے

پی تو معلوم ہوا کہ چائے میں نمک ذرا تیز ہو گیا۔ اس سے مجھے بہت شرمندگی ہوئی، اور اس کے آثار میری پیشانی پر ظاہر ہو گئے تو حضرت میاں جی صاحبؒ نے فرمایا کہ نہیں کچھ نہیں، اب پیو۔ حضرت کے اس فرمان کے بعد جو میں نے پیا تو نمک بالکل تیز نہیں تھا ۔۔۔

اس کے بعد فرمایا کہ ذرا

تھانہ بھون جاکر معلوم کرو تمہارے حضرت سفر سے آئے یا نہیں، چنانچہ میں تھانہ بھون چھوٹی پیرانی صاحبہ کے مکان پر گیا، وہاں معلوم ہوا کہ حضرت مظفر نگر تشریف لے گئے ہیں۔ اس کے بعد میں خانقاہ گیا، وہاں بھی معلوم ہوا کہ حضرت مظفر نگر تشریف لے گئے ہیں۔ اب اطلاع لے کر واپس میں جو لوہاری حضرت میاں جی صاحبؒ کو اطلاع کرنے چلا اور حضرت والا کے چھتہ والے مکان کے قریب جہاں منشی مظہر صاحب کا مکان ہے گلی میں داخل ہوا اور مڑ کر جو نظر کی تو دیکھا کہ حضرت میاں جی صاحب نور اللہ مرقدہٗ تشریف لا رہے ہیں۔ مجھے دیکھ کر حضرت میاں جی صاحبؒ میری طرف تشریف لے آئے اور مجھ سے کچھ باتیں فرمانے لگے کہ اتنے میں ایک اور شخص بھی اسی گلی میں آگئے اور اپنا کوئی حال حضرت میاں جی صاحبؒ سے بیان کیا اور سلوک کا کوئی مسئلہ پوچھا۔ اس پر حضرت میاں جی صاحبؒ نے میری طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ ان سے معلوم کرو۔ میں نے شرماتے ہوئے گردن نیچی کر لی۔ اس شخص نے دوبارہ حضرت میاں جی صاحبؒ سے عرض کیا کہ حضرت آپ ہی بتلا دیجئے۔ اس پر حضرت میاں جی صاحب نے فرمایا کہ نہیں نہیں

انہیں سے پوچھو اور تمہیں معلوم نہیں ہے حضرت تھانویؒ کے بعد انہیں کی طرف تو رجوع ہے۔ یہ الفاظ اتنی شدت کے ساتھ فرمائے کہ میری آنکھ کھل گئی۔

حضرتِ والا دامت برکاتہم نے اس خواب کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ میں اکثر اپنے خوابوں کو حضرتِ والا کی خدمت میں پیش کرتا تھا مگر اس خواب کو پیش نہ کر سکا، اولاً تو یہ کہ میں شرمایا اور دوسرے اس وجہ سے بھی کہ اس میں حضرت والا کی وفات کی طرف اشارہ تھا۔

قطبُ العالَم حضرت گنگوھیؒ کی جانب سے

اجازتِ وعظ وارشاد

وعظ کی اجازتِ منامی آپ کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہٗ کی طرف سے حاصل ہے۔ چنانچہ حضرت والا نے بیان فرمایا کہ وعظ کا یہ قصہ ہوا کہ خواب میں کچھ لوگوں نے مجھ سے وعظ کے لئے کہا میں نے عذر کر دیا کہ بھائی مجھے وعظ کہنا نہیں آتا، اس پر حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ کہدیجئے اس میں کیا بات ہے جو آتا رہے کہتے رہیں بس وعظ ہو گیا۔

واقعۂ خواب کو بیان فرمانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ اس

کے بعد سے وعظ کا سلسلہ شروع ہوگیا اور خدا کے فضل سے مجامع میں موقع بموقع میں وعظ کہنے لگا۔

حضرت خواجہ معین الدّین چشتی اجمیریؒ کی طرف سے

انتقالِ نسبتِ دُعا و بشارتِ قبولیت

خواب میں دعا کیلئے خصوصیت کے ساتھ آپ کو حکم فرمایا چنانچہ حضرت والا نے فرمایا کہ مجھے خواب میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ دعا کو ہم تمہاری طرف منتقل کرتے ہیں، جو تمہارے پاس دُعا کیلئے آئے دعا کرو یا کرنا۔

اس فرمان میں آپ کے مستجاب الدعوات ہونے کی بھی بشارت ہے چنانچہ حسبِ ارشاد جو بھی اہلِ حاجت آپ کی خدمت میں دُعا کیلئے آتے ہیں آپ بسہولت و عافیت ان کے مقصد کے حصول کی دعا فرما دیتے ہیں۔ بکثرت اہلِ حاجت اپنے دینی و دنیوی مقاصد میں کامیابی کی دعا کیلئے آپ کی خدمت میں آتے ہیں۔ تو ان کو دعا کے ساتھ ساتھ اس کے کرنے کے سلسلہ میں بڑی مفید اور تجربے کی باتیں بھی بتلا دیتے ہیں، اسی طرح کسی دینی حاجت کیلئے دعا کرانے والے کیلئے بھی اکثر اس سلسلے کی مفید اور کارآمد باتیں فرما دیتے ہیں۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ

کا آپ کے ساتھ ادب کا برتاؤ

جب حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ جلال آباد مدرسے کے جلسہ میں تشریف لاتے اور حضرت والا دامت برکاتہم ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے یا کسی دوسری جگہ کسی جلسہ میں ملاقات ہوتی یا آپ دیوبند دولت کدہ پر تشریف لے جاتے تو حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے تھے، اسی طرح ایک مرتبہ موضع بھیسانی میں جو جلال آباد سے چار میل کے قریب ہے، وہاں جلسے میں تشریف لائے لوگوں نے بیعت کی درخواست کی تو انکار فرما دیا پھر جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا اور بعض حضرات نے سفارش بھی فرمائی تو حضرت مدنی قدس سرہٗ نے سختی سے انکار فرما دیا اور فرمایا کہ میں کہہ تو چکا کہ میں بیعت نہیں کروں گا۔ یہاں مولانا مسیح اللہ صاحب موجود ہیں۔ اُن کے ہوتے ہوئے میں بیعت نہیں کروں گا۔

جس طرح حضرت شیخ الاسلام نور اللہ مرقدہٗ آپ کا پاس اور لحاظ فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ بھی ان کا بڑا ادب فرماتے تھے۔

مسیح الامتؒ کے

پاکیزہ اوصاف و کمالات !

جیسا کہ ابتداء میں عرض کر چکا ہوں آپ کے جمیع محامد اوصاف و کمالات کا کما حقہٗ تعارف اس بے بضاعت کی فہم و ادراک سے باہر اور بیان و تحریر سے بالا تر ہے۔

خوبی ہمہ کرشمۂ ناز و خرام نیست
بسیار شیوہ ہاست بتاں راکہ نام نیست

لہذا ان چند سطروں کو بجائے تعارف کے آپ کے اوصاف حمیدہ و اخلاقِ کریمہ میں سے چند اوصاف کا مختصر تذکرہ کہنا چاہیئے اور یہ تذکرہ بھی آپ کے علو مرتبت کی نسبت سے اگر دیکھا جائے تو آپ کے کمالات کا نہایت ہی ناقص تذکرہ ہونے کی وجہ سے بجائے مدحت و منقبت کے یک گونہ منقصت میں داخل ہے جسے واقعی آپ کے فیوض و برکات کا مشاہدہ

کرنا ہو وہ جلال آباد آئے اور دیکھے جہاں آپ کے فیض سے بازارِ علم و معرفت لگا ہوا ہے اور طلب و اخلاص پر بڑے سے بڑا گوہرِ مقصود اس بازار معرفت سے حاصل ہو سکتا ہے قصبہ جلال آباد جہاں آپ شعبان ۱۳۵۷ھ میں اپنے مرشد حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاد پر تشریف لائے وہیں مستقل جم گئے اور وہیں پر آج بھی جلوہ افروز ہیں، جلال آباد میں تشریف آوری کے متعلق حضرتِ والا نے فرمایا کہ میں خانقاہ میں آیا ہوا تھا یہاں مدرس کی ضرورت تھی حضرتِ والا سے مدرس کیلئے عرض کیا گیا۔ حضرت والا نے فرمایا کہ جلال آباد تم چلے جاؤ جب میں یہاں آیا تو ایک حافظ صاحب اور تھے ایک میں تھا کل دو کمرے تھے جن میں سے ایک میں میں اور دوسرے میں حافظ صاحب پڑھایا کرتے تھے۔

حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کا یہ الہامی انتخاب تھا کہ اس جلال آباد کیلئے آپ کو تجویز فرمایا جس کی برکت سے آج۔ ؎

جلال آباد قصبہ بن گیا تھانہ بھون ثانی

شورشِ عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی

ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خوابِ ناز میں

مدرسہ جس کی ابتداء صرف دو کمروں سے ہوئی، محض حضرت والا دامت برکاتہم کے اخلاص وللّٰہیت اور آپ کے سایۂ عاطفت کے فیوض و برکات سے تقریباً تیس سال کی تھوڑی سی مدت میں ایک مکتب سے پورا جامعہ علیہ بفضلہٖ تعالیٰ بن گیا، جس میں درس نظامی کی مکمل تعلیم مع فنون کے

جاری ہے اور ساتھ ہی شعبۂ حفظ و تجوید بھی قائم ہے۔ مدرسہ میں ہندوستان کے مختلف صوبوں اور بیرونِ ہند کے خصوصاً افریقی طلبار کی کثیر تعداد و نیز مقامی طلباء کو ملاکر کل طلبار کی تعداد تقریباً پانچ سو (۵۰۰) ہے، اور دورۂ حدیث شریف میں شرکار کی تعداد چالیس کے قریب ہے۔ مدرسہ کی عمارت وسیع اور باضابطہ ہے جس میں سادگی کے باوجود عمارت کی موزونیت کی وجہ سے حسن و کمال جھلکتا ہے ۲۱، اساتذہ کرام ہیں، اور مصارف کا سالانہ میزان تقریباً تین لاکھ ہے۔

چونکہ افریقہ کے کافی طلبار مدرسہ میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور پاسپورٹ کے ضوابط کی وجہ سے اُن کے پاس وقت کم ہوتا ہے لہٰذا ان کیلئے مخصوص طور پر ایک چار سالہ نصاب تکمیل مرتب کیا گیا ہے جو بحمداللہ تعالیٰ بہمہ وجوہ کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔

باوجود اتنے کثیر مصارف کے مدرسہ کا بیرونی کوئی سفیر نہیں ہے مستقل صرف ایک سفیر ہیں جو قرب وجوار میں اکثر غلّہ وغیرہ کی وصول یابی کرتے ہیں۔ خود ہی اہلِ خیر بلا کسی سفیر اور بلا اپیل و اعلان کے کام کو دیکھ کر اور حضرتِ والا دامت برکاتہم کی زیرِ نگرانی مصرف صحیح سمجھ کر امداد فرماتے ہیں۔ اور اتنا بڑا کام محض توکلاً علی اللہ چل رہا ہے۔ اللہ ربّ العزت اس چشمۂ فیض کو حضرت والا کے زیرِ سایہ بترقیات جاری رکھے۔ (آمین)

پہلے مدرسہ میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی، جس میں مدرسہ کے تمام

طلبار بھی نہیں سما سکتے تھے۔ اب بحمداللہ تعالیٰ جناب الحاج سعید الدین صاحب انصاری میو، الہ آباد کی جانب سے اس مسجد کو شہید کر کے نئی مسجد تعمیر کی گئی ہے۔ جو نہایت وسیع اور عالیشان ہے۔ جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار آدمی بیک وقت جماعت کے ساتھ نماز پڑھ سکتے ہیں۔ مسجد کے شمال و جنوب کی ہر دو جانب خانقاہ کے کمرے ہیں مسجد کے اندرونی حصہ میں چھ، برآمدے میں تین، اور بیرونی صحن میں بیس صفیں آسکتی ہیں۔

مسجد میں گل کاری کا ایسا نفیس کام کیا گیا ہے جو فنِ تعمیر کے نادر نمونوں میں شمار کیے جانے کے قابل ہے جسے دیکھ کر آدمی معمار کے کمالِ فن کی بار بار داد دیئے بغیر نہیں رہتا۔

مدرسہ کا سارا انتظام و اہتمام حضرتِ والا خود فرماتے ہیں، اکثر آپ کے قیمتی اوقات اس مصروفیت میں گذرتے ہیں کہ مجلس بھی ہو رہی ہے اور اسی میں طلبار کی درخواستیں بھی آرہی ہیں۔ اُن کے جوابات بھی تحریر فرما رہے ہیں، کسی طالب علم کو اس کی کسی غیر مفید یا غیر ضروری درخواست پر سمجھا رہے ہیں۔ کسی کی ضرورت کا انتظام فرما رہے ہیں۔ مختلف قسم کے اہلِ حاجت آرہے ہیں، اُن کی بھی حاجت روائی فرما رہے ہیں۔ کسی کی مالی امداد فرما رہے ہیں۔ کسی کیلئے دعا فرما رہے ہیں، کسی کو تعویذ لکھ کر عنایت فرما رہے ہیں، کسی کا پانی پڑھ کر دے رہے ہیں۔ ڈاک کے جوابات بھی تحریر فرما رہے ہیں اور مجلس بھی جاری ہے۔ اہلِ مجلس کو بھی ارشاداتِ عالیہ سے مستفیض فرما رہے ہیں۔ مریدین کی اصلاح بھی فرما رہے ہیں، اور چھوٹے چھوٹے

بچوں کی دلداری بھی کر رہے ہیں، کوئی پیسے مانگ رہا ہے اور کوئی اور کسی چیز کا عین اس مصروفیت کے وقت میں آکر تقاضا کر رہا ہے اور آپ خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ اس کی مانگ پوری فرما رہے ہیں کہیں بیماروں کی بیمار پرسی فرما رہے ہیں، اگر کسی کے متعلق معلوم ہو گیا کہ فلاں بیمار ہے تو آپ اس کی جائے قیام ہی پر تشریف لے جا کر بیمار پرسی فرما رہے ہیں گویا اس شعر کے مصداق کامل ہیں۔ ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

آپ بیک وقت اتنے مختلف النوع امور کو بکمال و تمام انجام دیتے ہیں کہ اگر مستقل ہر کام کو ایک ماہر کارکن کے سپرد کیا جائے تو ایک بڑی جماعت بھی بمشکل انجام دے سکے۔

صرف اگر آپ کی روزانہ کی تحریرات کی نقل کی جائے تو ایک پختہ کار منشی کیلئے پورے دن کے واسطے یہی کام کافی ہے، حالانکہ تحریر کے علاوہ اور کتنے ہی امور ہیں جنہیں آپ انجام دیتے ہیں اکثر صبح صادق سے قبل اٹھ کر معمولات کے بعد مشاغل کثیرہ میں ایسی مصروفیت ہوتی ہے کہ باوجود اس پیرانہ سالی ضعف اور گوناگوں امراض کے بھی شام تک چارپائی پر نہیں لیٹتے برابر کام میں مصروف رہتے ہیں صالحین سے جو خلاف عادت صادر ہو اسی کو کرامت کہتے ہیں انجان لوگ صرف ہوا پر اڑنے اور دریا پر مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے ہی کو خلافِ عادت

سمجھ کر کرامت سمجھتے ہیں۔ ورنہ اگر بنظرِ انصاف سے دیکھا جائے تو ایک ذات سے اتنے کثیر مختلف النوع امور کی انجام دہی سب سے بڑی کرامت ہے۔

اب ذیل میں آپ کے چند اوصاف حمیدہ کا مختصر سا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

اتباعِ سُنّت

ہر ایک قول و عمل میں سنت کی پوری پوری پابندی فرماتے ہیں اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور جوتا پہننے غرضکہ ہر عمل میں طریق سنت کی اتباع شدّت کے ساتھ فرماتے ہیں۔ چنانچہ اس کتاب میں نصائح کے اندر فرمایا ہے۔

خدا تعالیٰ کی محبّت کی علامت یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کے محبوب کی پیروی اخلاق، افعال، احکام اور سنتوں میں کرے۔

کمالِ تقویٰ

جس اہتمام کے ساتھ آپ سنت کی اتباع فرماتے ہیں اسی اہتمام کے ساتھ مکروہات و مشتبہات سے بھی شدّت کے ساتھ اجتناب فرماتے

ہیں۔ خصوصاً ہدیہ کے اندر اگر قرینہ اس کے مشتبہ ہونے کا موجود ہو تو قبول نہیں فرماتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ہدیے میں کچھ امرود لے کر آیا۔ راقم الحروف بھی حاضر تھا۔ آپ نے لانے والے سے پہلے اس کے صحتِ اجارہ کے بارہ میں تحقیق فرمائی۔ چونکہ بسا اوقات پھلوں کے اجارے فاسد طریق پر ہوتے ہیں۔ اس شخص نے درست صورت اجارہ کی بیان فرمائی تو آپ نے قبول فرمالیئے اور حاضرینِ مجلس میں بھی ایک ایک امرود تقسیم فرمایا۔

کمالِ حلم

آپ بہت ہی حلیم اور بردبار ہیں، کیسی ہی خلاف طبع بات پیش آجائے، اُسے اس طرح برداشت فرمالیتے ہیں کہ ناگواری کا اظہار نہیں ہونے دیتے، کتنی ہی کسی کی طرف سے تکلیف پہنچ جائے۔ کبھی اس پر انتقام نہیں لیتے۔ نہ کسی دوسرے کو لینے دیتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہی شخص اگر اپنی ضرورتیں لے کر آئے تو پوری بشاشت کے ساتھ ـــــــ اس کی وہ ضرورت پوری فرمادیتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص جن کی اکثر ضرورتوں کا تکفل حضرت والا فرمایا کرتے تھے۔ کسی بات پر آپ سے ناراض ہوکر دربردہ مخالفت کرنے لگے، اور بعض دوسرے مخالفین سے اپنا تعلق پیدا کرلیا۔ انہیں کو جب ایک مرتبہ اپنی کسی ضرورت کے لئے کچھ رقم کی ضرورت ہوئی اور کہیں نہ مل سکی تو حضرتِ والا کی خدمت میں آئے اور اپنی ضرورت کا اظہار

کیا تو آپ نے بلاکسی قسم کی اظہارِ ناراضگی کے اُن کو رقم عنایت فرمادی اور کچھ نہیں فرمایا۔

مروّت

آپ دوسروں کی بے حد رعایت فرماتے ہیں اور مرّوت آپ پر اس درجہ غالب ہے کہ اکثر لوگوں کے اصرار پہ حدِ شرعی کے اندر اپنے خلافِ طبع درخواستیں بھی منظور فرمالیتے ہیں اور پھر اس طرح نباہ دیتے ہیں کہ دوسروں کو اپنے خلافِ طبع ہونے کا علم بھی نہیں ہونے دیتے۔ اپنی ساری راحت دوسرے کی خوشی کیلئے قربان فرمادیتے ہیں اور پھر اس پہ ذرا بھی اظہارِ احسان نہیں فرماتے۔

تواضع

ہمیشہ آپ کے ہر ہر قول و عمل سے فروتنی و تواضع ظاہر ہوتی ہے بسا اوقات بھری مجلس میں نہایت صداقت اور اخلاص کے ساتھ فرماتے ہیں کہ تم سب لوگ مجھ سے اچھے ہو آنے والے سے بڑے تپاک و خندہ روئی کے ساتھ ملاقات فرماتے ہیں، کبھی اپنی بڑائی کا اظہار نہیں فرماتے اگر کوئی شخص کچھ دینی یا دینوی اعتبار سے خصوصیت رکھتا ہو تو اس کا اس کے

مرتبے کے اعتبار سے لحاظ فرماتے ہیں، تواضع آپ کا حال بنا ہوا ہے، جس کا آپ کے ہر حال وقال سے ہر وقت اظہار ہوتا رہتا ہے۔ ایک روز پندنامہ کی ساری جماعت آپ کے پاس سبق پڑھنے کے لئے بیٹھی تھی ایک شخص کے چند تعریفی کلمات کہنے پر فرمایا کہ میں سچ کہتا ہوں کہ یہ جتنے بیٹھے ہیں، سب مجھ سے اچھے ہیں۔ کسی طالب علم کی اگر بیماری کی اطلاع آجائے تو اکثر اس کی بیمار پرسی کے لیئے تشریف لے جاتے ہیں اور اس کا سر اور پیر وغیرہ دبانا شروع کردیتے ہیں۔ ایسی لطف ومہربانی شفقت وتسلی کی باتیں فرماتے ہیں کہ مریض پر ایک فرحت وانبساط کی کیفیت طاری ہوجاتی ہے۔ باستثناء طالبین ومریدین کے اگر ذرا بھی کسی بات پر کسی کی ناگواری کا خیال ہوجائے تو بار بار فرماتے ہیں کہ بھائی اگر کوئی تکلیف پہنچی ہو تو معاف کرنا کبھی دریافت فرماتے ہیں کہ تم کو ہمارے اس کہنے پر تکلیف تو نہیں پہنچی، اور بھائی اگر پہنچی ہو تو معاف کرنا۔ اسی طرح کئی کئی بار فرماتے ہیں۔

غرض اس کا بہت اہتمام فرماتے ہیں کہ آپ کی طرف سے کسی کو ذرہ برابر بھی رنج وتکلیف نہ ہو۔

انسان تو خیر انسان ہیں آپ جانوروں تک کی تکلیف کا بھی بے حد خیال فرماتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ مکان پر تشریف لا رہے تھے۔ باہر کے بڑے دروازے کے قریب ایک کتا آرہا تھا۔ ساتھ میں مفتی نصیر احمد صاحب تھے۔ انہوں نے کتے کو ایک طرف ہٹانا چاہا تو آپ نے ان کو منع فرمادیا اور فرمایا، روکو مت آنے دو۔ یہ عام راستہ ہے، اس

یں ہر ایک کو گذرنے کا حق ہے۔

اسی طرح گھر میں ایک مرتبہ پلی ہوئی بلی آپ کے بستر مبارک پر سو گئی تو اس کے جاگنے کی تکلیف کی وجہ سے آپ رات بھر بستر پہ نہیں سوئے

اسی طرح ایک صوفی عبدالحمید صاحب نومسلم طالب علم تھے جن کی تمام ضروریات کا تکفل حضرت والا فرمایا کرتے تھے۔ ان کی طبیعت کا عجیب رنگ تھا۔ جب بھی ان کے جی میں آتا، عین مجلس میں آکر جو کچھ زبان پر سخت سست آتا حضرت والا دامت برکاتہم کو کہہ دیتے۔ دوکان داروں کا قرض کر لیتے اور پھر آکر تقاضا کرتے کہ مجھے پیسے چاہئیں دیدیجئے۔ آپ پیسے دیدیتے انہیں صوفی صاحب کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ مجلس میں آئے اور کہا کہ ہمارے جوتے ٹوٹ گئے اور بنوا دیجئے۔ حضرت والا نے فرمایا کہ ابھی تو خرید کر دیئے تھے۔ تھوڑے سے ٹوٹے ہوں گے مرمت کرادی جائے گی۔ اس پر صوفی جی نے کہا کہ ہمیں معلوم نہیں آپ دیکھ لیجئے آپ نے فرمایا کہ لاؤ دیکھ لوں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ وہ، ہیں، چق کے باہر، آپ دیکھ لیجئے ــــــــ اُن کے اس جواب پر حضرتِ والا مجلس سے اٹھ کر دھوپ میں باہر تشریف لائے، جہاں سب لوگوں کے جوتے نکلے ہوئے تھے اور چونکہ آپ کو اُن کے جوتے کی شناخت نہیں تھی۔ اس لیے مختلف جوتے اُٹھا اُٹھا کر فرماتے رہے۔ کہ یہ تمہارے جوتے ہیں اور وہ صوفی صاحب اندر کھڑے کھڑے ہی انکار کرتے رہے۔ بالآخر جب حضرت والا کو دھوپ میں کھڑے کھڑے جوتوں کو اس طرح دکھاتے ہوئے کافی دیر گذر گئی ــــ تو

حاضرین اساتذہ میں سے ہمت فرما کر ایک صاحب نے صوفی صاحب سے
کہا کہ تم سے اتنا بھی نہیں ہوتا کہ آگے بڑھ کر دکھلا دو کہ میرے جوتے یہ ہیں
اس پر انہوں نے اپنے جوتے بتلائے تب حضرت والا نے انہیں دیکھ کر رمت
کیلئے جیب سے پیسے نکال کر دیئے۔

ان صوفی صاحب کے متعلق ایک مرتبہ کسی نے حضرتِ والا سے
عرض کیا کہ حضرت یہ صوفی جی ایسی بے ڈھنگی باتیں کرتے رہتے ہیں تو حضرت
والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ بھائی حضرت تو سبھی لوگ کہتے ہیں کوئی ایسا
بھی تو ہو کہ جس سے میں اپنے آپ کو سنبھالتا رہوں اور میری اصلاح
ہوتی رہے۔ یہ صوفی صاحب مدرسہ میں بیمار ہوئے۔ حضرتِ والا نے
بہت کچھ علاج کرایا، مگر شفا نہ ہوئی اور بالآخر انتقال فرما گئے۔ اُن
کے انتقال پر حضرت والا نے اظہارِ غم فرماتے ہوئے فرمایا کہ بھائی میرا
ایک کھیل تھا، میں ان سے کھیل لیتا تھا وہ ختم ہو گیا۔

اسی ایک واقعہ سے آپ کا کمالِ حسن خلق تواضع حلم وسخاوت
شفقت ومہربانی روزِ روشن کی طرح عیاں ہیں۔

نیز یہ بھی ظاہر ہوا کہ اہل اللہ باوجود نفس کے مطمئنہ ہو جانے کے
بھی کبھی اس کی نگرانی سے غافل نہیں رہتے۔

اسی قسم کا ایک یہ واقعہ ہے کہ حضرتِ والا کے مدرسہ تشریف لے
جانے کے راستہ میں ایک بڑے میاں اپنے مکان کے دروازے کے باہر
چارپائی پر لیٹے ہوئے آہ آہ کر رہے تھے۔ حضرتِ والا نے اُن سے

سلام کے بعد فرمایا، بڑے میاں اس طرح آہ آہ کیوں کر رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ حضرت بڑھاپا زیادہ آگیا کمر میں درد رہنے لگا۔ حضرتِ والا نے فرمایا، لائیں آپ کی کمر دبا دوں واقعی تو ہالا ٹھ (مضبوط) کر دوں گا، بڑے میاں نے کہا کہ حضرت جی مرنے کو تو ہو ہی رہا ہوں اور یہ گناہ سر پر لیتا جاؤں کہ آپ جیسی ہستیوں سے کمر دبواؤں۔ حضرتِ والا کے ساتھ طلباء و اساتذہ بھی مدرسہ جا رہے تھے، بڑے میاں نے ان حضرات کو مخاطب کر کے کہا اے علمائے کرام آپ حضرت کی باتیں سنتے ہیں۔ مجھ بے ادب اور گنہگار کرنا چاہتے ہیں۔ جب بڑے میاں نے نہ مانا تو حضرت والا مدرسہ چلے گئے اور دوبارہ رات کو دس بجے کے بعد پھر ان بڑے میاں کے پاس تشریف لے گئے جو اپنے مکان سے باہر چادر اوڑھے لیٹے ہوئے تھے۔ آپ نے اُن کی چادر میں ہاتھ ڈال کر کمر پر ہاتھ رکھا وہ بڑے میاں بیدار تھے۔ انہوں نے چادر جو ہٹا کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ حضرتِ والا ہیں۔ اس پر وہ بڑے میاں اٹھ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ حضرت ایسا نہ کیجئے۔ آپ نے فرمایا نہیں کیا ہوا اس وقت تو آپ شاید ان علماء اور طلباء سے شرما رہے تھے۔ اس وقت کوئی نہیں، اب میں اور آپ ہیں خوب کمر دباؤں گا آپ کو آرام ملے گا۔ بڑے میاں نے کہا کہ میں تو آپ سے نہیں دبواؤں گا۔ اور یہ کہہ کر کھڑے ہو گئے وہ حضرتِ والا کے لحاظ میں چارپائی پر نہیں لیٹے اس پر حضرت والا تشریف لے گئے۔

نیز مولوی محمد اسماعیل صاحب کتھراوا افریقی جواب ماشاء اللہ مفتاح العلوم سے فارغ التحصیل اور حضرتِ والا دامت برکاتہم کی جانب سے مجازِ بیعت

ہوکر اپنے وطن تشریف لے گئے، اپنے زمانۂ طالب علمی کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ وہ بیمار ہوگئے، تو حضرت والا بذاتِ خود بعد عشاء اُن کی قیام گاہ پر تشریف لے جاکر اُن کی دَوا پکاتے اس کا قوام تیار فرماتے اور دوا پلانے کے بعد تشریف لاتے۔

اسی طرح آپ سادات کا بھی بہت اعزاز و احترام فرماتے ہیں، چنانچہ ایک طالب علم حافظ سیّد ہارون صاحب افریقی حضرت والا کے ہاں پندنامہ کے درس میں شریک ہوتے تھے۔ آپ ان کے ادب کی وجہ سے انہیں ہمیشہ سرہانے کی جانب قالین پر بٹھلاتے تھے۔ سادات کے ادب کے سلسلہ میں ایک روز ارشاد فرمایا کہ سادات کا ادب ہمیں نسبت کی وجہ سے کرنا ہے، ہمیں نہیں دیکھنا کہ ان کے اعمال کیسے ہیں؟ ان کے اعمال کے متعلق وہ جانیں، خدا تعالیٰ جانیں۔ نیز فرمایا کہ جس کے سیّد ہونے میں شک ہو اس کا ادب اس کے مقابلے میں جس کا سیّد ہونا یقینی طور پر معلوم ہو اور بھی زیادہ کرنا چاہیے۔ جس کا سیّد ہونا یقیناً معلوم ہے اس کا تو ادب کیا ہی جاتا ہے۔ کمالِ ادب تو یہ ہے کہ باوجود شک کے بھی محض احتمال پر ادب کیا جاوے۔

سخاوت وکرم

بہت سے حاجت مند ایسے ہیں جن کی آپ مخفی طور پر مالی اعانت فرماتے ہیں۔ بعض کے ماہانہ وظائف مقرر ہیں اور بعض کے ہفتہ وار

بعض سائل ایسے ہیں جو جمعرات و جمعہ کو آکر سلام کرتے ہیں۔ اُن میں سے کسی کو آپ ایک روپیہ، کسی کو دو روپے کسی کو اور کچھ کم و بیش عنایت فرماتے ہیں۔ بہت سے طلباء کی اپنے پاس سے امداد فرماتے ہیں ۔ ایک معتدبہ رقم حاجت مندوں کو دیتے رہتے ہیں۔

عفو و رحم

آپ کی طبیعت میں شفقت و رحم بے حد ہے۔ کسی کی ذرا سی تکلیف کو دیکھ کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر کسی کی بیماری کا حال معلوم ہو جائے تو آپ بار بار دریافت کراتے ہیں کہ اس وقت کیا حال ہے۔ کبھی دوا عنایت فرماتے ہیں۔ کبھی حکیم یا ڈاکٹر کو بلواتے ہیں۔ بعض مرتبہ اسی دردمندی کی وجہ سے کسی کا حال دیکھ کر یا سُن کر آپ پر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ بڑے سے بڑے مجرم کی خطا کو معاف فرما دیتے ہیں اور معاف فرمانے کے بعد کسی بھی قسم کا اثر ناراضگی کا ظاہر نہیں ہونے دیتے۔

آپ کبھی کسی پر غضبناک نہیں ہوتے۔ اسی سلسلے میں ایک مرتبہ فرمایا پہلے تو میرے اندر کچھ جلال تھا۔ اب تو طبیعت ذرا اور قسم کی بن گئی ہے اس وقت طلباء بھی بہت ڈرتے تھے۔ ڈرتے تو اب بھی ہیں۔ مگر اب محبت غالب ہے۔

حسنِ ظن

آپ کبھی کسی پر بدگمانی نہیں فرماتے بلکہ ایسے مواقع پر جہاں پر لوگ بدگمان ہو جاتے ہیں آپ دور سے دور کی تاویل فرما لیتے ہیں اور اسی کی تاکید فرماتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ

روایت تو خیر روایت ہے اس میں تو ہزاروں احتمالات نکل سکتے ہیں۔ اگر رؤیت بھی ہو، تب بھی جہاں تک ہو سکے تاویل ہی کرنی چاہیئے چونکہ بسا اوقات ہماری رویت بھی غلط ہوتی ہے جیسا کہ ہم ریل کو دیکھتے ہیں کہ یہ چل رہی ہے، اور حالانکہ وہ ٹھیری ہوئی ہے۔ دوسری ریل چل رہی ہے

آپ کا حسن ظن اس درجہ بڑھا ہوا ہے کہ آپ کے متعلق یہ بات مشہور ہو چکی ہے کہ حضرتِ والا کی فہرست میں سوءِ ظن کا کوئی خانہ نہیں ہے۔ حسنِ ظن کے متعلق راقم نے آپ کی زبان فیض ترجمان سے بارہا سُنا ہے۔ فرمایا کرتے ہیں کہ ہمیں تو ہر شخص کے ساتھ نیک گمان ہی رکھنا چاہیے

کمالِ انتظام و اہتمام

مدرسہ کے اتنے وسیع نظام کا اس خوبی و کمال کے ساتھ چلنا آپ کے کمال انتظام و اہتمام کی زندہ مثال ہے۔

آپ کی مردم شناسی، حلم وتدبر، عفو وچشم پوشی مضبوط عزم اور دور اندیشی کے اوصاف میں آپ کے حُسن انتظام کا راز مضمر ہے۔ اللہ رب العزت نے آپ کو مردم شناسی کی ایسی فراستِ صادقہ عطا فرمائی ہے کہ ہر شخص سے آپ اس کے مرتبہ کے اعتبار سے معاملہ فرماتے ہیں۔

طلباء کی مختلف قسم کی درخواستیں عین مصروفیت کی حالت میں آتی ہیں۔ آپ درخواست پر صرف ایک نظر فرماتے ہی اس کے پورے منشا ومقصد کو سمجھ جاتے ہیں اور بسا اوقات اس طالبِ علم کو سمجھانے کے سلسلہ میں اس کے مقصد کو ایسی وضاحت کے ساتھ بیان فرماتے ہیں کہ شاید خود صاحب درخواست بھی اس طرح اپنے منشا کو تفصیل سے نہ بیان کر سکتا۔ بعد میں طلباء میں سرگوشیاں ہوتی ہیں کہ حضرتِ والا کو ان باتوں کا کیسے علم ہوگیا۔

طلباء پر باوجود آپ کی بے انتہا شفقت، عفو ورحم نرم مزاجی ومہربانی کے بھی آپ کی خدا داد ہیبت ورعب اس درجہ ہے کہ مدرسہ میں آپ کے قدم رنجہ فرماتے ہی ہر طالب علم پر خوف وادب کی ملی جُلی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ کسی طالب علم کی ہمّت نہیں ہوتی کہ وہ آپ کے سامنے کوئی نامناسب بات کہے یا کوئی ناشائستہ حرکت کرے۔

یہی حال مدرسہ کے اساتذہ کرام کا ہے کہ ہر ایک اپنے مرتبہ کے اعتبار سے حضرت والا دامت برکاتہم کا ادب واحترام محبّت وعقیدت لئے ہوئے ہے۔

طلبار کے ساتھ آپ اولاد جیسا برتاؤ کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کرتے ہیں کہ ہم تو طلبائ کے ساتھ اولاد جیسا سلوک رکھتے ہیں۔ جب ہمارے پاس کچھ ہوتا ہے دینے سے انکار نہیں کرتے مدرسہ کے اہتمام و انتظام کی تمام ذمہ داریاں باوجود مختلف قسم کے مشاغل کثیرہ کے آپ ہی انجام دیتے ہیں مدرسہ کے ہر شعبہ پر پورا پورا خیال رکھتے ہیں اکثر ہمیشہ ہی تعمیرات کا سلسلہ جاری رہتا ہے وقتاً فوقتاً اسے دیکھنے کے لئے موقع پر تشریف لے جاتے ہیں

اضافہ

ماشاء اللہ تعالیٰ حضرت والا نے بنفس نفیس تقریباً نصف صدی تک مدرسہ کا انتظام واہتمام چلایا اب حضرت والا نے مدرسہ کا انتظام و اہتمام کثرتِ مشاغل، اسفار، مجالس، ڈاک اور طالبین کی آمد و رفت پیرانہ سالی، ضعف کے باعث اپنے فرزند ارجمند حضرت مولانا صفی اللہ خاں صاحب کو عنایت فرما دیا ہے وہ ماشاء اللہ تعالیٰ بحونہ تعالیٰ بخلوص وصدق بحسن وخوبی اس خدمت کو حضرت والا کے زیرِ سرپرستی و نگرانی انجام دے رہے ہیں۔

حضرت مولانا صفی اللہ خانصاحب نہایت سلیقہ شعار باصلاحیت ہیں۔ مدرسہ کا اہتمام جس ہمت، محنت، دیانت اور جانفشانی سے اپنی استعداد ذاتی اور صلاحیتِ خداداد سے چلا رہے ہیں اس کا بیّن ثبوت

مدرسہ کے تمام مدرسین وطلباء کا ان سے بہت خوش رہنا ہے اور بتوفیقہٖ تعالیٰ مدرسہ یوماً فیوماً ترقی کر رہا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ

اسفار

حضرت والا مقامی تعلیمی و تربیتی مصروفیات کے باوجود اندرونِ ہند اور بیرونِ ہند مثلاً سعودی عرب، پاکستان، برطانیہ، فرانس، امریکہ، جنوبی افریقہ، پانامہ، مصر، بیت المقدس، کشمیر وغیرہ کے تبلیغی و اصلاحی دورے بھی فرماتے رہتے ہیں۔

بحمد اللہ تعالیٰ جس سے تشنگانِ تزکیۂ باطنی اور طالبانِ علوم و معارف وقتاً فوقتاً خوب سیراب ہو رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ اس چشمۂ فیض کو مدتِ مدید تک جاری و ساری رکھیں اور حضرت والا کے فیوضِ باطنی کے انوار و برکات کو سارے عالم میں خوب پھیلا دیں۔ (آمین)

ڈاک کے جوابات

اندرون ملک نیز افریقہ، امریکہ، پاکستان، برطانیہ اور سعودی عرب وغیرہ سے بکثرت ڈاک آتی رہتی ہے جن میں اکثر خطوط طالبین کے طویل بھی ہوتے ہیں اور ایسے خطوط کا اوسط تقریباً ۴۰ رہتا ہے جن کا جواب

آپ بالالتزام اسی روز تحریر فرما دیتے ہیں اور اگر اتفاقاً کبھی سفر یا بیماری کی وجہ سے ایک دو روز کی ڈاک جمع ہو جاتی ہے تو پھر نہایت ہی اہتمام کے ساتھ جمع شدہ ڈاک کے جوابات تحریر فرما دیتے ہیں اور جب تک ساری ڈاک کے جوابات سے فارغ نہیں ہو جاتے اطمینان نہیں ہوتا اکثر حاضرین سے فرماتے رہتے ہیں کہ بھائی آج ڈاک بہت ہے۔

آپ کے جوابات ایسے جامع اور طالب کے مناسب حال ہوتے ہیں کہ پڑھنے پر ایک عجیب سرور و سکون پیدا ہوتا ہے اور لبا اوقات آپ کے جوابات کو پڑھ کر سالک کا قبض رفع ہو جاتا ہے اور بے اختیار یہ شعر پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ ؎

اس وقت تہ اِساقی کیا حال ہوا ہوگا
جس وقت یہ مے تیرے شیشے میں بھری ہوگی

مجلس

عموماً صبح ناشتے کے بعد مجلس دو گھنٹے ہوتی ہے اور جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ بھی ہمیشہ مجلس ہوتی ہے، جس میں گرد و نواح کے بہت سے حضرات طالبین و مریدین مدرسہ کے طلباء و اساتذہ شریک ہوتے ہیں

حاضرینِ مجلس کی کثرت رہتی ہے کہ مجلس خانہ میں اندر جگہ باقی نہیں رہتی باہر فرش پر بھی چٹائیاں بچھائی جاتی ہیں جس پر بہت سے لوگ بیٹھتے ہیں اس مجلس میں عموماً حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا وعظ پڑھ کر سناتے ہیں۔ درمیان میں آپ موقع بموقع حسبِ ضرورت تفصیل و تشریح بھی فرماتے رہتے ہیں۔ مجلس میں تمام اہل مجلس ہمہ تن گوش بنے رہتے ہیں۔ ہر شخص کے چہرہ پر تقویٰ کا نور اور عزم و ہمت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں مجلس میں بیٹھ کر ہر شخص اپنے دل میں خشیت و انابت کے آثار بین طور پر اپنی اپنی طلب اور اخلاص کے مطابق محسوس کرتا ہے چونکہ ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے

ہر آدمی اپنی اپنی جگہ یہ خیال کرتا ہے کہ گویا حضرتِ والا میرے حال کے مطابق ہی بیان فرما رہے ہیں۔

روزانہ کے اوقاتِ مجلس اور جمعہ کی اس مجلس کے علاوہ بھی بالعموم جب بیٹھتے ہیں اور کوئی مخاطب طالب حاضر ہوتا ہے تو اکثر ارشاداتِ عالیہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ ہر مسئلہ کو اس شرح و بسط کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔ کہ طالب کی پوری تشفی فرما دیتے ہیں اور جیسا مخاطب ہوتا ہے اس کے مطابق ہی اس سے کلام فرماتے ہیں۔ ایک عامی آدمی کو جس طرح ایک مشکل سے مشکل مسئلہ کو آسان سے آسان اسلوب میں مثالوں اور واقعات و حکایات کی روشنی میں سمجھا دیتے ہیں۔ اسی طرح علماء و طلباء کو علمی اصطلاحات میں نہایت جامعیت کے ساتھ سمجھا دیتے ہیں۔ علوم لدنیہ اور

واردات قلبیہ کو علوم اصطلاحیہ کی اصطلاحات کے ذریعہ سمجھا دینے کا ملکہ آپ کو حاصل ہے۔ علوم اصطلاحیہ کا ایسا استحضار ہے کہ رات دن درس و تدریس میں مشغول علماء بھی آپ کی علمی تقاریر کو سن کر حیرت کرنے لگتے ہیں۔

جب آپ تقریر فرماتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اس نحیف سے جسم میں یہ اتنے سارے علوم کدھر سے القاء ہو رہے ہیں۔

راقم الحروف نے لبا اوقات اس کا مشاہدہ کیا ہے کہ بہت سے علماء پہلی ملاقات ہی میں آپ کی باتیں سُن کر گرویدہ و رطب اللسان ہو گئے۔ آپ کی شاید ہی کوئی ایسی مجلس ہوتی ہوگی جو حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کے ذکر اور اُن کے ملفوظات وارشاداتِ عالیہ کے بیان سے خالی رہتی ہو۔ بار بار فرماتے رہتے ہیں کہ حضرت والا (حکیم الامت) نے اس بارے میں یہ فرمایا تھا یوں معلوم ہوتا ہے۔

کہ حضرت حکیم الامت کی تمام مجلسیں آپ کے دل میں نقش کا لحجر ہو گئی ہیں، جب بھی حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کے ارشاداتِ گرامی کا تذکرہ فرماتے ہیں تو ایک عجیب سوزِ عشق کی کیفیت آپ پر طاری ہو جاتی ہے گویا یہ حال ہو جاتا ہے ؎

پہلے جان و دل میں بھر لیں مستیٔ صہبائے شوق
پھر کسی کی لذتِ گفتار کی باتیں کریں

اور اکثر موقع بموقع حضرت حکیم الامتؒ کے سنائے ہوئے واقعات

اور قصے بیان فرماتے رہتے ہیں۔ جس سے مسئلہ پوری تمثیل کے ساتھ ذہن نشین ہو جاتا ہے۔ بعض مرتبہ ایک ایک مسئلہ پر کئی کئی گھنٹے تک سلسلۂ ارشاد جاری رہتا ہے کہ اگر کوئی قلم بند کرنے والا ہو تو اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ تیار ہو جائے۔ فقہ، حدیث، تصوف تفسیر عام اصلاحِ معاشرت کے ہر قسم کے مسائل آپ کی مجلس میں بیان ہوتے ہیں بعض مرتبہ ایک معمولی سا واقعہ ہوتا ہے۔ اس پر جب سلسلۂ بیان شروع ہو جاتا ہے تو کافی طویل بیان ہو جاتا ہے، آپ کی مجلس میں جی بالکل نہیں اکتاتا، یوں جی چاہتا رہتا ہے کہ آپ فرماتے ہی رہیں اور مجلس ختم نہ ہو۔

آپ کے ارشاداتِ عالیہ میں علمی تحقیقات کا نچوڑ ہوتا ہے ہمیشہ آیات واحادیث، سلف کے واقعات و فقہی جزئیات سے مدلل کلام فرماتے ہیں۔ بعض مرتبہ دلائل سے ایسے نتائج کا استخراج فرماتے ہیں کہ سننے والے اہلِ علم بھی دنگ رہ جاتے ہیں جس دلیل سے بظاہر مدعٰی کے ثبوت کی طرف ذہن بھی نہیں جاتا۔ اسی دلیل سے دعوٰی کو ثابت فرما دیتے ہیں، اور باقاعدہ مقدمات کو ملا کر نتائج کے استخراج کو ظاہر فرماتے ہیں۔

بات ہمیشہ پوری اور واضح فرماتے ہیں۔ جب کسی مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ سامعین کے قلوب میں اپنی بات کو اتارتے چلے جا رہے ہیں۔ بقول کسے ؎

افلاک سے کھینچی جاتی ہے سینوں میں اتاری جاتی ہے
توحید کی مے ساغر سے نہیں نظروں سے پلائی جاتی ہے

ہر شخص اپنی اپنی جگہ یہ سمجھتا ہے کہ خاص طور پر حضرت والا دامت برکاتہم کا مجھ ہی کو خطاب ہے اور میرے ہی دل کی بات فرما رہے ہیں۔ جب کلام فرماتے ہیں تو موتی بکھرتے ہیں جن میں کا ہر موتی انمول یکتا اور کوہ نور ہوتا ہے۔

آپ اگر کبھی کسی سے بمصلحت مزاح بھی فرماتے ہیں تو اس کے اندر بھی کتنے ہی علوم اور حکمتیں، مصالح اور منافع مضمر ہوتے ہیں۔

چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص سے مجلس میں آپ نے مزاحاً کچھ باتیں فرمائیں اُن کے جانے کے بعد آپ نے ہم خدام کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

تم کہتے ہو گے کہ حضرت جی ایسی باتیں کر رہے ہیں، اس میں بھی ہماری بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ آنے والے کا ذرا دل کھلے اور وہ اپنی بات پوری کہہ سکے، آئندہ بھی ملنے کیلئے ہمت ہو اور شوق بڑھے۔ یہ صاحب حضرت والا کے مرید تھے۔

مزاح میں بھی کبھی کسی کو شرمندہ نہیں فرماتے، محض دل دہی اور غلبۂ ہیبت کے دُور کرنے کیلئے کا ہے بضرورت کسی سے مزاح فرماتے ہیں آپ کے مزاح کا بھی مخاطب پر ایسا اثر ہوتا ہے کہ ہزار وعظ بھی اس پر قربان ہیں۔ جو بات بھی فرماتے ہیں جچی تلی فرماتے ہیں — دورانِ گفتگو میں اکثر تبسم فرماتے رہتے ہیں مگر کبھی بھی آپ کھل کھلا کر نہیں ہنستے۔

لباس

آپ ہمیشہ پاجامہ، کرتا، پانچ کلی گول ٹوپی زیب تن فرماتے ہیں۔

پاجامہ تقریباً نصف ساق تک رہتا ہے۔ کرتا بھی گھٹنوں سے کچھ نیچا پہنتے ہیں۔ سردی میں روئی دار کن ٹوپ پہنتے ہیں۔ جوتا عموماً ہلکا اور سادہ ہوتا ہے۔ لباس قیمتی اور اوسط درجہ دونوں قسم کا استعمال فرماتے ہیں۔ رنگ کپڑوں کا اکثر سفید ہوتا ہے۔ سردی میں ہلکی رضائی پورے دن اوڑھے رہتے ہیں۔ لباس جمعہ کے دن بدلتے ہیں۔ اگر بیچ میں کبھی سفر بھی پیش آجائے تو صرف سفر کی وجہ سے لباس نہیں بدلتے متعدد جوڑوں کے پہننے کی ایک خاص ترتیب ہوتی ہے کہ کپڑوں پر نمبرات پڑے رہتے ہیں۔ انہیں کے اعتبار سے نمبر وار ہر ایک جوڑے کو پہنتے ہیں تاکہ ہر جوڑا برابر استعمال میں آتا رہے۔

جبہ، عبا، عمامہ، وغیرہ پہننے کا کبھی التزام نہیں فرماتے صرف عیدین کے موقع پر جبہ زیب تن فرماتے ہیں جو کسی صاحب نے ہدیۃً پیش کیا ہے۔

حُسنِ خُلق

آپ کی طبیعت بہت ہی نرم ہے، کبھی کسی پر سختی نہیں فرماتے اور نہ موقع اصلاح میں کسی قابلِ اصلاح چیز سے چشم پوشی فرماتے ہیں جہاں کہیں بھی موقع اصلاح کا ہوتا ہے، نہایت نرمی کے ساتھ سمجھا دیتے ہیں کہ اگر مخاطب کے اندر تھوڑی سی بھی طلب اور اخلاص ہو تو وہ ضرور انشاء اللہ اس سے متاثر ہوگا۔ دوسروں کی شدید سے شدید ڈانٹ ڈپٹ

بھی طالب پر وہ اثر نہیں کرتی جو آپ کا نرمی و حکمت کے ساتھ سمجھانا
اثر کرتا ہے۔ آپ کا طرزِ کلام نہایت سادہ دل پذیر اور موثر ہوتا ہے جو
کچھ فرماتے ہیں اس میں قال کے ساتھ چونکہ حال ہوتا ہے اور

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔

لہذا مخاطب پر اس کا بہت اثر ہوتا ہے۔

آپ ہر امر میں سادگی کو پسند فرماتے ہیں تکلف و بناوٹ سے طبعاً گریز ہے، بات ہمیشہ پوری اور صاف فرماتے ہیں اور اس کی تعلیم فرماتے ہیں کہ بات صاف اور پوری کہی جائے۔ ادھوری بات سے مخاطب کو تشویش ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ علالت کی حالت میں بہت سے حضرات مزاج پرسی کیلئے آتے رہتے ہیں۔ عین اس علالت کی حالت میں بھی جتنی تفصیل سے ایک شخص کو طبیعت کا حال بتلاتے ہیں اسی تفصیل کے ساتھ دوسرے سے بھی بیان فرماتے ہیں آپ کا چہرہ انور ہمیشہ خندہ و شاداں رہتا ہے کہ دیکھ کر ہی آدمی کا دل بہل جائے کیسا ہی غم گین سے غم گین آدمی ہو تھوڑی دیر آپ کی باتیں سُن کر یوں محسوس کرتا ہے گویا بالکل کچھ غم تھا ہی نہیں۔

کیسے ہی سخت سے سخت اشتعال کے ساتھ کسی امر کو آپ کے سامنے پیش کیا جائے اس طرح سے گھبرا کر عجلت میں نہیں پڑتے۔ نہایت تدبر، غور و فکر، متانت و سنجیدگی کے ساتھ اس کے بارے میں رائے قائم فرماتے ہیں، کبھی گھبرا کر اعتدال سے تجاوز نہیں فرماتے آپ کو۔

بہت سے امور کو بیک وقت انجام دیتے رہنے کا ایسا ملکۂ راسخہ حاصل ہوگیا ہے۔ کہ ہر کام کو اپنی اپنی جگہ بتمام و کمال انجام دیتے رہتے ہیں۔ اور کبھی گھبراتے نہیں نہ ایسی مصروفیت میں کسی آنے والے پر اس کثرتِ مشاغل کے بار کو ظاہر ہونے دیتے ہیں۔ کتنے ہی مشاغل کا ہجوم ہو کیا مجال جو چہرہ پر شکن آجائے۔ بقول کسے ؎

جو ہیں خاصانِ حق وہ اپنے دل کو شاد رکھتے ہیں
غم و اندوہ میں رنج والم میں یاس و حرماں میں

پوری بشاشت کے ساتھ تمام امور کو انجام دیتے رہتے ہیں۔ بعض مرتبہ عین اسی مشغولیت کے وقت میں بعض اہلِ ضرورت آجاتے ہیں تو اسی مصروفیت کی حالت میں اس کی ضرورت بھی پوری فرماتے ہیں، کوئی تعویذ کیلئے آتا ہے تو اسے تعویذ مرحمت فرماتے ہیں کسی کے پانی پر دم فرماتے ہیں: ____ کسی کیلئے دعا فرماتے ہیں پورا وقت مسلسل اسی طرح افادہ و خدمتِ خلق میں گذرتا ہے آپ کے معمولات کے بارے میں ایک مرتبہ آپ نے ارشاد فرمایا ؎

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بتسبیح و سجادہ و دلق نیست

آپ کی شفقت کا یہ عالم ہے کہ ہر ایک اپنی جگہ یہ سمجھتا ہے کہ حضرت کا تعلق مجھ سے سب سے زیادہ ہے۔ ؎

اخلاق کا یہ عالم ہر ایک یہ سمجھتا ہے
جو مجھ سے تعلق ہے اوروں سے نہیں ایسا

کتنے ہی خوش نصیب ایسے ہیں جن کی تربیت وتعلیم آپ نے اپنی نگرانی وتکفل میں فرمائی۔ مگر کبھی بھی کسی موقع پر آپ اظہار احسان نہیں فرماتے

آپ نہایت نرمی و ملاطفت سے تدبیر و حکمت سے سائل کو سمجھاتے ہیں۔ چنانچہ ایک مرتبہ ایک سفر میں کسی خانصاحب نے آپ سے متعدد اشکالات پیش کیئے۔ آپ جوابات عنایت فرماتے رہے اور وہ برابر اعتراضات کرتے رہے کہ اتنے میں آپ اثنائے گفتگو ہی میں پیشاب کیلئے تشریف لے گئے اور اس کے بعد دو رکعت پڑھیں اور پھر خان صاحب سے دریافت فرمایا کہ فرمائیے خان صاحب اب کیا اشکالات باقی ہیں آپ کے نرمی وملاطفت کے ساتھ سمجھانے کا خان صاحب پر ایسا اثر ہوا کہ کہنے لگے اب تو کوئی بھی اعتراض نہیں ہے اور جو کچھ مجھ سے غلطی ہوئی ہے اس کی معافی چاہتا ہوں اور بہت ہی انکساری کے ساتھ معافی چاہنے لگے۔

اسی طرح ایک مرتبہ تھانہ بھون خانقاہ میں ایک سالک پر قبض طاری ہوگیا اور ان کو یہ خیال ہو گیا کہ میں شیطان ہو گیا۔ حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ اس زمانے میں بغرض علاج لکھنؤ تشریف لے گئے تھے، سالک نے اپنی اس پریشان خیالی کو کہ میں شیطان ہو گیا۔ خانقاہ میں موجودین کئی حضرات مجازین کے سامنے عرض کیا مگر ان کو سکون نہیں ہوا، قبض برابر باقی رہا۔ حضرت والا دامت برکاتہم جب خانقاہ تشریف لے گئے تو آپ کے سامنے بھی انہوں نے اپنا حال بیان کیا، آپ نے ان سے بطور سوال دریافت فرمایا کہ جب سے آپ کو شیطان ہونے کا خیال ہے اس وقت سے آپ نماز پڑھتے

ہیں یا نہیں، انہوں نے عرض کیا کہ پڑھتا ہوں۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ شیطان نے تو جب سے سجدہ سے انکار کیا ہے اور شیطان ہوا ہے وہ تو نماز نہیں پڑھتا، انہوں نے عرض کیا کہ جی ہاں شیطان تو نماز نہیں پڑھتا اس پر آپ نے فرمایا کہ پھر آپ شیطان کس طرح ہوئے، یہ سنتے ہی ان کا قبض جاتا رہا اور مطمئن ہو گئے۔

آپ کاغذ کا بہت ادب فرماتے ہیں اگر کہیں کاغذ کا کوئی ٹکڑا پڑا ہو تو اُسے اٹھا لیتے ہیں۔

آپ کا مزاج بہت ہی لطیف، نازک اور حساس ہے، ذرا سی موسم کی تبدیلی سے فوراً طبیعت پر اثر ہوتا ہے اسی طرح بدبو سے بہت اذیت ہوتی ہے اسی لیئے مٹی کا تیل کبھی استعمال نہیں فرماتے ہمیشہ موم بتی جلاتے ہیں، اگر کہیں دور بھی لالٹین جل رہی ہو تو اس کی بو کا بھی احساس فرما لیتے ہیں اور باوجود اس لطافتِ طبع کے کہ آپ کو بدبو سے بہت اذیت ہوتی ہے، بہت سے ایسے مریض جن کے بدن میں بعض امراض کی وجہ سے شدید بدبو پیدا ہو گئی کہ جس سے خود ان کے عزیز و اقارب بھی بمشکل ان کے پاس ٹھہر سکتے تھے، آپ برابر ان کی تیمارداری کیلئے تشریف لے جاتے رہے اور اُن کے پاس بیٹھ کر ان کی تسلی و تشفی فرماتے رہے۔

تعلق مُرشد

مجدد الملتہ حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرّہٗ کی ذاتِ بابرکات سے آپ کو ایسی والہانہ عقیدت اور محبت ہے کہ اکثر مجلسوں میں بار بار حضرت حکیم الامت کے ارشادات و تحریرات کا ذکر فرماتے رہتے ہیں، اکثر جب بھی کسی مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں تو اس مسئلہ پر بطور استدلال واستشہاد تائید و توضیح حضرت حکیم الامت کے ملفوظات کو بیان فرماتے ہیں۔ اسی ذیل میں سلف کے بہت سے واقعات بھی حضرت حکیم الامت کی مجلس میں سُنے ہوئے سناتے رہتے ہیں۔

جب آپ کسی مسئلہ کو بیان فرماتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حکیم الامتؒ کے علوم آپ کی طرف منتقل ہوتے ہوئے آرہے ہیں اور حضرت میاں جی نور محمد صاحب نوراللہ مرقدہٗ کی دی ہوئی بشارت من وعن بتمام وکمال پوری ہورہی ہے، جیسا خاص تعلق و عشق آپ کو حضرت حکیم الامت کی ذاتِ بابرکات سے ہے ایسا ہی مخصوص تعلق آپ کے ساتھ حضرت حکیم الامت نوراللہ مرقدہٗ کو تھا، جس کا بیان گذشتہ اوراق میں گذر چکا ہے۔ جب حضرت حکیم الامتؒ کا ذکر فرماتے ہیں تو ایک عجیب کیفیت آپ پر طاری ہوجاتی ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

ڈوب سا جاتا ہے دل رہ رہ کے اُن کی یاد میں
کوئی کیا سمجھے کہ وجہ بے خودی ہوتی ہے کیا

جمعہ کی مجلس میں حضرت حکیم الامت کے مواعظ وملفوظات کو ایسے ورد توجہ و انشراح کے ساتھ پڑھتے ہیں کہ وہ مضامین تمام اہلِ مجلس کے دل میں اترتے چلے جاتے ہیں ؎

پہلے جان و دل میں بھر لیں مستیٔ صہبائے شوق
پھر کسی کی لذت گفتار کی باتیں کریں

بعض مرتبہ تو حضرتِ مرشدِ عالم حکیم الامت قُدِّسَ سِرُّہٗ کی یاد میں آپ آبدیدہ ہو جاتے ہیں۔ مگر بڑے تحمل سے آپ ضبط فرما لیتے ہیں ؎

تری یاد کی خلش ہو ترے ذکر کی تپش ہو
مرے اشک ہائے غم کو کوئی چاہیئے بہانہ

اپنے شیخ سے جیسی محبت و عقیدت ہونی چاہیے اس کا کمال درجہ آپ کو حاصل ہے۔ جب بھی آپ کسی مسئلہ کو تفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے ہیں تو بار بار فرماتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اپنے شیخ کی برکت سے عرض کر رہا ہوں۔

جلال آباد کے زمانۂ قیام میں آپ ہمیشہ تھانہ بھون بالالتزام حاضر ہوتے رہے۔ چنانچہ آپ کا معمول تھا کہ جمعرات کی شام کو خانقاہ تشریف لے جاتے تھے اور جمعہ کی مجلسِ خاص میں شرکت کے بعد تشریف لاتے تھے۔ خانقاہ میں مجلس عام و خاص و اخص الخاص ہر ایک میں آپ کو حاضری کا شرف حاصل تھا چنانچہ اس سلسلہ میں حضرتِ والا نے فرمایا کہ کبھی ایسا بھی ہوا کہ خاص مجلس میں صرف میں اکیلا ہی ہوتا تھا۔ غایت احترام کی وجہ سے آپ

حضرت حکیم الامت قدس سرہ العزیز کے سامنے بہت کم صرف بقدر ضرورت کلام فرماتے تھے اس پر حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا بھی کہ آپ بولا کریں اور فرمایا کہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، حضرت (حکیم الامت) نے فرمایا ہے کہ اُن سے یہ کہہ دو کہ مجھ سے بے تکلف ہوں، ذرا بولا کریں، اس سے حضرت حکیم الامت کا غایت تعلق و محبت بھی آپ کے ساتھ ظاہر ہوا اس واقعہ کو فرمانے کے بعد حضرت والا نے فرمایا کہ اس کے باوجود بھی ہمت نہیں ہوتی تھی، بس کبھی کبھی معمولی سا بولا کرتا تھا۔

مجاز بیعت ہو جانے کے بعد بھی کبھی اپنے آپ کو شیخ سے مستغنی نہیں سمجھا ہمیشہ حسب حال اطلاع فرماتے رہے اور استفادہ فرماتے رہے چنانچہ پہلے آپ توجہ فرمایا کرتے تھے آپ کی قوتِ خیالیہ بہت قوی تھی چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے فرمایا کہ اس زمانے میں میرے اُوپر کسی چیز کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا کیسا ہی کوئی بڑے سے بڑا آدمی ہوتا یا چرندہ یا درندہ ہوتا تھا۔ اس کا مطلق کوئی اثر نہیں ہوتا تھا اسی زمانے میں دہلی تشریف لے گئے تھے وہاں ایک مسجد میں آپ نماز پڑھا کرتے تھے، وہاں پر ایک شخص نے آپ سے اصرار کیا کہ ہمارے نقشبندی پیر آئے ہوئے ہیں۔ ذرا وہاں چلو، حضرت والا دامت برکاتہم نے فرمایا کہ جب انہوں نے زیادہ اصرار کیا تو ہم نے کہا بھائی چلو ہم ان کے پاس پہنچے تو نماز کے بعد حلقہ کر کے وہ مریدین پر باری باری توجہ دے رہے تھے میں سب سے اخیر میں بیٹھا ہوا تھا انہوں نے تین بار میرے اُوپر توجہ ڈالی تو مجھے

غیرت آئی کہ میرے چلے جانے کے بعد ان کو معلوم ہوگا کہ یہ فلاں جگہ بیعت ہیں میں نے جوان پر توجہ کی تو وہ کمبل اوڑھے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے۔ کمبل ہٹا اور ایک طرف کو گر پڑے، اس کے بعد میں چلا آیا۔ اور حضرت والا کی خدمت میں واقعہ لکھا۔ خانقاہ ہی میں لکھ کر عریضہ دیا تھا۔ منبر پر جواب کیلئے ملنے کا پتہ لکھا تھا۔ حضرت والا نے جواب میں تحریر فرمایا کہ انہوں نے تو بچوں کا کھیل کیا ہی تھا تم نے بھی بچوں کا کھیل کیوں کیا۔ لہذا بیس نفل پڑھو جواب پڑھتے ہی وہیں بیس نفل پڑھے، اس کے بعد قوتِ خیالیہ میں ضعف آگیا اور توجہ دینا بند کر دیا۔ اس واقعہ سے بھی آپ کا کمالِ اتباع ظاہر ہے کہ حضرت حکیم الامت نور اللہ مرقدہٗ کی صرف اتنی سی تنبیہہ پر توجہ فرمانا ترک کر دیا اور جو حال پیش آیا تھا اس کی من وعن حضرت حکیم الامتؒ کی خدمت میں اطلاع فرمائی۔ جو عقیدت بیعت سے قبل ہی غائبانہ طور پر پیدا ہوئی تھی کہ باوجود اور بہت سے حضرات کے دیکھنے کے کبھی حضرت حکیم الامت کے علاوہ کسی دوسری جانب خیال بھی نہیں گیا وہی کمالِ عقیدت محبت و انقیاد بتمام و کمال باقی رہا اور رہے، جس کا اظہار آپ کے ہر ہر قول و عمل سے ہوتا رہتا ہے۔

اللہ ربّ العزت ہم سب کو بھی آپ کی ذات بابرکت کے ساتھ ہی کمال عقیدت محبت اتباع و انقیاد نصیب فرمائے اور آپ کے سایۂ عاطفت کو تا دیر ہمارے اُوپر باقی رکھے۔

۔ آمین ثم آمین ۔

حضرتِ والا کی تالیفاتِ مفیدہ

فضل الباری تقریر بخاری
شریعت و تصوف (مکمل)
تعلیمات اسلام
التوحید الحقیقی
حفظ المسلم
ذکر النبی صلی اللہ علیہ وسلم
ذکر الہٰی
فضیلتِ علم
ملفوظاتِ اصلاحِ نفس
اصولِ تبلیغ
احکام التبلیغ
رسالہ اشتراکیت
ملفوظات اشتراکیت
تقلید و اجتہاد
مواعظ (دو جلدوں میں)
ملفوظات جلد اوّل ۔ الحج ۔ الجہاد

اظہارِ معذرت

جن خوش قسمت حضرات کو حضرتِ والا دامت برکاتہم سے بالمشافہ شرف ملاقات حاصل ہے اور آپ کی مجلسوں میں شرکت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔ بالخصوص جن سعادت منداحباب کو کچھ دنوں آپ کی خدمت بابرکت میں رہنے کا کچھ موقع ملا ہے وہ یقیناً ان چند بے ربط سطروں کو نہایت ہی ناقص تذکرہ آپ کے اوصافِ حمیدہ کا خیال فرماویں گے اور خود یہ سگِ آستانہ، میں بھی اس خیال میں احباب سے متحد ہے۔ آپ کا ہر وصف اپنے انوار و برکات سے معمور ہے کہ اگر لکھا جائے تو ہر ایک وصف پر ایک مستقل کتاب تیار ہوجائے، آپ کی ذاتِ ستودہ صفات کے تعارف کیلئے ان چند سطروں کا لکھنا دریا کا تعارف ایک قطرہ سے کرانے کے مترادف ہے۔ اس ہیچمدان نے کچھ دنوں کے زمانۂ قیام خانقاہ میں صرف اس مختصر سے تعارف کو اس لیئے لکھا ہے تاکہ ان محبین مخلصین کے لئے جنہیں آپ کی ذات والا صفات سے عقیدت وارادت ہے باعثِ مسرت ہو اور اس ناچیز کیلئے ذریعۂ اجرِ آخرت ہو (آمین)

جو واقعات و حالات لکھے ہیں وہ بندہ نے از خود حضرت والا دامت برکاتہم سے دریافت کرکے لکھے ہیں یا جو بندہ نے خود مشاہدہ کئے یا بلا دریافت علی سبیل التذکرہ حضرتِ والا نے انہیں بیان فرمایا اور بندہ

نے سُنا۔ اسی طرح جو چند خطوط کی نقل کی ہے۔ وہ بھی باصرار بندہ نے حضرت والا دامت برکاتہم سے لے کر کی ہے۔ حضرت والا دامت برکاتہم غایت عجز و انکساری کی وجہ سے ہمیشہ اپنے حالاتِ رفیعہ کا اخفاء فرماتے رہتے ہیں۔ یہ چند واقعات بھی بندہ کے اصرار پر ازراہِ شفقت و مروّت صرف ہم خدام کی دل جوئی کی خاطر بیان فرمادیئے اور میرے قلم بند کرنے کے بعد اپنی طبیعت پر جبر فرما کر میرے دوبارہ تصحیح کی غرض سے سُنانے پر جب میں نے تصحیح کی خاطر واقعات و حالات سنائے سنے۔ اس کے باوجود بھی کوئی بات حضرت والا کی شانِ عالی کے خلاف لکھی گئی ہو جس سے کسی بھی قسم کی منقصت آپ کی شان میں لازم آتی ہو، اسے سراسر اس بندہ کا قصور خیال فرماویں۔

آخر میں دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبول اور مقبول فرماویں اور ہم سب کو اپنے صالحین بندوں میں داخل فرمائے اور انہیں کی راہ پر مستقیم فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

بندہ رشید احمد میواتی

۶ ر رمضان المبارک ۱۳۸۹ھ

سلسلہ اشاعت ۳۰

کامیابی کے تین گُر

از

حکیم الامت حضرت مولٰینا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ

بانی، مجلس صیانۃ المسلمین

اگر کوئی شخص (ان) تین باتوں کا التزام کرلے انشاء اللہ تعالیٰ محروم نہ رہے گا
گو جنید بغدادیؒ نہ بن سکے۔

(۱) ایک تو یہ کہ معاصی کو بالکل ترک کردے، کیونکہ اس سے قلب میں ظلمت پیدا ہوتی ہے عاصی (گنہگار) اگر عبادت بھی کرتا ہے تو اس کے نور کی مثال مثل نور فانوس کے ہوتی ہے کہ اس کا نور مخلوط بالظلمۃ ہوتا ہے

(۲) دوسرے یہ کہ خلق خدا پہ بدگمان نہ ہو کہ یہ (بدگمانی کا مرض) کبر سے پیدا ہوتا ہے۔

(۳) تیسرے یہ کہ جب فرصت ہو تو کچھ (دیر بیٹھ کر) ذکر و شغل جس قدر ممکن ہو کرلیا کرے، اور حضرات صوفیائے کرام سے ملنا جلنا رہے۔

اگر یہ میسر نہ ہو تو حضرت تھانویؒ کے مواعظ و ملفوظات روزانہ کچھ مطالعہ کرلیں، اکثر لوگوں کا تجربہ ہے کہ یہ نیک صحبت کے قائمقام ہیں۔

(مقالات حکمت)

مجلس صیانۃ المسلمین پاکستان صدر دفتر جامعہ اشرفیہ فیروز پور روڈ لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شجرۂ طیبہ

چشتیہ صابریہ
امدادیہ اشرفیہ
مسیحیہ منظومہ

مؤلفہ
مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

شجرۂ طیبہ

مسیحیہ، چشتیہ، اشرفیہ، امدادیہ، صابریہ، منظومہ

حمد ہے سب تیری ذاتِ کبریا کے واسطے
اور درود و نعت ختم الانبیاء کے واسطے
فضل کر ہم پر الٰہی مجتبیٰ کے واسطے

در بدر پھرتی ہے خلقت التجا کے واسطے
آسرا تیرا ہے پر، مجھ بے نوا کے واسطے
رحم کر مجھ پر الٰہی اولیا کے واسطے

ان بزرگوں کو شفیع لایا ہوں میں ہو کر ملول
کیجیو یہ عرض میری ان کی جانب سے قبول
ہاتھ اٹھاؤں جب تیرے آگے دعا کے واسطے

بخشدے تمکین مجھ کو اور تلون سے بچا
جلوۂ اقدس سے میرے قلب کو دے جگمگا
شاہ مسیح اللہ ولیِ باصفا کے واسطے

کر مجھے علم و عمل سے اے خدا آراستہ
بابِ عرفاں کا کشادہ ہو مجھ پر راستہ
حضرت اشرف علی شمس الہدیٰ کے واسطے

دین و دنیا میں نہ کھاؤں ٹھوکریں اے کبریا
عاجز و مسکین ہوں طالب تری امداد کا
حاجی امداد اللہ پارسا کے واسطے

پاک کر ظلمات عصیاں سے الٰہی دلِ مرا
کر منور نور عرفاں سے الٰہی دلِ مرا
حضرت نور محمدؒ پرضیا کے واسطے

ایسے مرنے پر کروں قربان یارب لاکھ عید — اپنی تیغِ عشق سے کرلے اگر مجھ کو شہید
حاجی عبدالرحیم اہلِ غزا کے واسطے

کردہ پیدا درد و غم میرے دلِ انگار میں — بار پاؤں جس سے اے باری ترے دربار میں
شیخ عبدالباریؔ شہِ بے ریا کے واسطے

شرک و عصیان و ضلالت سے بچا کر اے کریم — کر ہدایت مجھ کو اب راہِ صراطِ مستقیم
شاہ عبدالہادیؔ پیر ہدیٰ کے واسطے

دین و دنیا کی طلب، عزت نہ سرداری مجھے — اپنے کوچہ کی عطا کر ذلت و خواری مجھے
شاہ عضد الدین عزیزِ دوسرا کے واسطے

دے مجھے عشقِ محمد اور محمدیوں میں گن — ہو محمدؐ ہی محمد وِردِ میرا رات دن
شہ محمد اور محمدی اتقیا کے واسطے

حُبِّ حق حُبِّ الٰہی حُبِّ مولیٰ، حُبِّ حق — الغرض کر دے مجھے محوِ محبت سب کا سب
شہ محبّ اللہ شیخِ باصفا کے واسطے

گرچہ میں غرقِ شقاوت ہوں سعادت سے بعید — پر توقع ہے کرے مجھ سے شقی کو تو سعید
بوسعید اسعد اہلِ وریٰ کے واسطے

قال ابتر حال ابتر سب مرے ابتر ہیں کام — لطف سے اپنے مرے کر ملکِ دیں کا انتظام
شہ نظام الدین بلخی مقتدا کے واسطے

ہے یہی سب دین میرا اور یہی سب ملک و مال — یعنی اپنے عشق میں کر مجھ کو باجاہ و جلال
شہ جلال الدین جلیل اصفیا کے واسطے

حُبِّ دنیاوی سے کرکے پاک مجھ کو اے حبیب　　　اپنے باغِ قدس کی کر سیر تو میرے نصیب
عبد قدوس شہ صدق و صفا کے واسطے

کر معطر روح کو بوئے محمد سے مری　　　اور منور چشم کر روئے محمد سے مری
اے خدا شیخ محمد رہنما کے واسطے

کر عطا راہِ شریعت روحِ احمد سے مجھے　　　اور دکھا نورِ حقیقت خوئے احمد سے مجھے
شیخ احمد عارف صاحب عطا کے واسطے

کھول دے راہِ حقیقت قلب پر یا حق مرے　　　کر تجلّی حقیقت قلب پر یا حق مرے
احمد عبدالحق شہ ملک بقا کے واسطے

دین و دنیا کا نہیں درکار کچھ جاہ و جلال　　　ایک ذرّہ درد کا یا حق مرے دل میں تو ڈال
شہ جلال الدین کبیر الاولیا کے واسطے

ہے مکدر ظلمتِ عصیاں سے میرا شمس دیں　　　کر منور نور سے عرفاں کے میرا شمس دیں
شیخ شمس الدین ترک شمس الضحیٰ کے واسطے

اے مرے اللہ رکھ ہر وقت ہر لیل و نہار　　　عشق میں اپنے مجھے بے صبر و بیتاب و قرار
شیخ علاؤ الدین صابر با رضا کے واسطے

دے حلاوت مجھ کو حق تمکینیِ ایمان سے　　　اور حلاوت بخش گنجِ شکرِ عرفان سے
شہ فرید الدین شکر گنج بقا کے واسطے

عشق کی رہ میں ہوئے جو اولیا اکثر شہید　　　خنجرِ تسلیم سے اپنے مجھے بھی کر شہید
خواجہ قطب الدین مقتولِ ولا کے واسطے

بے ترے ہے نفس و شیطان درپئے ایمان و دین　　جلد ہو آ کر مرا یارب مددگار و معین

شہ معین الدین حبیبِ کبریا کے واسطے

یاالٰہی بخش ایسا بے خودی کا مجھ کو جام　　جس سے جز عشقِ نبیؐ ہووے نہ مجھ کو اور کام

خواجۂ عثمان باشرم و حیا کے واسطے

دور کر مجھ سے غمِ موت و حیاتِ مستعار　　زندہ کر ذکرِ شریفِ حق سے اے پروردگار

شہ شریفِ زندنی با اتقا کے واسطے

آتشِ شوق اس قدر دل میں مرے بھر اے ودود　　ہر بنِ مو سے مرے نکلے تری اُلفت و دود

خواجہ مودود چشتی پارسا کے واسطے

رحم کر مجھ پر تو اب چاہِ ضلالت سے نکال　　بخش عشق و معرفت کا مجھ کو یارب ملک و مال

شاہ بو یوسف شہِ شاہ و گدا کے واسطے

مست اور بے خود بنا بوئے محمد سے مجھے　　محترم کر خواری کوئے محمد سے مجھے

بو محمد محترم شاہِ ولا کے واسطے

صدقۂ احمد سے ہے اُمید تیری ذات سے　　کر بدل ڈالے مرے عصیان کو تو حسنات سے

احمد ابدال چشتی پارسا کے واسطے

حد سے گزرا رنجِ فرقت اے مرے پروردگار　　کر مری شامِ خزاں کو وصل سے روزِ بہار

شیخ بو اسحاق شامی خوش ادا کے واسطے

شادی و غم سے دو عالم کے مجھے آزاد کر　　اپنے درد و غم سے یارب دل مرا آباد کر

خواجۂ ممشاد علوی بوالعلا کے واسطے

ہے مرے تو پاس ہردم ایک میں اندھا ہوں پر بخش وہ نورِ بصیرت جس سے تو آوے نظر
بو ہبیرہ شاہ بصری پیشوا کے واسطے

عیش و عشرت سے دو عالم کے نہیں مطلب مجھے بخش اپنے در تلک طاقت رسائی کی مجھے
شیخ حذیفہ مرعشی شاہِ صفا کے واسطے

نے طلب شاہی کی نہ خواہش گدائی کی مجھے چشم گریاں سینہ بریاں کر عطا یا رب مجھے
شیخ ابراہیم ادہم بادشاہ کے واسطے

راہزن میرے ہیں ڈاکو قزاق با گزرِ گراں تو پہنچ فریاد کو میری یہاں اے مستعاں
شہ فضیل ابنِ عیاض اہلِ دعا کے واسطے

کر دے میرے دل سے واحد دوئی کا حرف دور دل میں اور آنکھوں میں بھر دے سر بسر وحدت کا نور
خواجہ عبدالواحد ابنِ زید شاہ کے واسطے

کر عنایت مجھ کو توفیقِ حسن اے ذوالمنن تا کہ ہوں سب کام میرے تیری رحمت سے حسن
شیخ حسن بصری امام اولیا کے واسطے

دور کر دل سے حجابِ جہل و غفلت میرے رب کھول دے دل میں درِ علمِ حقیقت میرے رب
ہادیِ عالم علی شیرِ خدا کے واسطے

کچھ نہیں مطلب عالم کے گُل و گلزار سے کر مشرف مجھ کو تو دیدارِ پُر انوار سے
سرورِ عالم محمد مصطفیٰ کے واسطے

آ پڑا در پہ تیرے میں جہاں سے ہو ملول کر تو ان ناموں کی برکت سے دعا میری قبول
یا الٰہی اپنی ذاتِ کبریا کے واسطے

ان بزرگوں کے تئیں یارب غرض بر کار ہیں کر شفاعت کا وسیلہ اپنے تو دربار میں
مجھ ذلیل و خوار مسکین و گدا کے واسطے

نے فقیری چاہتا ہوں نے امیری کی طلب نے عبادت نے زہد نے خواہش علم و ادب
دردِ دل پر چاہئیے مجھ کو خدا کے واسطے

عقل و ہوش و فکر اور نعمائے دنیا بے شمار کی عطا تو نے مجھے پر اب تو اے پروردگار
بخش وہ نعمت جو کام آوے سدا کے واسطے

گرچہ یہ ہدیہ نہ میرا قابل منظور ہے پر جو ہو مقبول کیا رحمت سے تیری دور ہے
کشتگانِ تیغ تسلیم و رضا کے واسطے

حد سے ابتر ہو گیا ہے حال مجھ ناشاد کا کر مری امداد اللہ وقت ہے امداد کا،
اپنے لطف و رحمتِ بے انتہا کے واسطے

رات دن کے معمولات و وظائف مسنونہ

نمبر۱: نمازوں کی قضا اس طرح کہ ہر نماز وقتی کے ساتھ جماعت سے قبل یا بعد جماعت اس وقتی قضا کے صرف فرض ادا کرنا اور عشاء میں وتر بھی اور فرصت اور ہمت کے ساتھ ایک وقت میں یا ایک دن میں کئی کئی وقت یا کئی کئی نمازوں کو ادا کرلینا۔

نمبر۲: کسی کا مالی حق اپنے ذمہ ہو اس کو ادا کرنا یا معافی مانگنا۔

نمبر۳: آنکھ، کان، زبان کی پوری نگرانی کرنا اور حرام اور مشتبہ مال سے پوری احتیاط وضع قطع، لباس، شکل، صورت سنّت کے مطابق رکھنا۔ شادی، غمی کے موقعہ پر جملہ رسومات و بدعات اور خلافِ شرع باتوں گانا بجانا، ڈھول باجہ، گیت، نیوتہ اور دکھاوا وغیرہ کرنا۔ ہر معاملہ میں ناجائز اور محرکات طریق سے بچنا اور اس کا پورا خیال کرنا کہ کسی کو اپنے ہاتھ یا زبان سے مالی، قلبی اور جسمانی تکلیف اور رنج اور نقصان نہ پہنچے، کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ اختلاط سے گریز، بضرورت ملنا اور کلام سے بھی بدون ضرورت شدیدہ پوری احتیاط کرنا۔ غرض کہ پوری زندگی سنّت کے مطابق گذارنے کی کوشش کرتے رہنا۔ حسبِ فرصت تلاوت قرآن شریف و مناجات مقبول، ایک تسبیح درود شریف۔

نمبر۴: چلتے پھرتے، اُٹھتے، بیٹھتے کلمۂ طیبہ کا ورد رکھنا، اور اس طرح پر کر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے رہیں. اسکو پانچ مرتبہ کہنے کے بعد یا سانس ٹوٹنے پر مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم ملا لیا کریں۔

نمبر۵: ہر نماز کے بعد اگر آیۃ الکرسی یاد ہو تو اس کو پڑھ کر تسبیح فاطمہ کی ایک تسبیح پڑھا کریں یعنی ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ، ۳۳ مرتبہ الحمد للہ، ۳۴ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کریں۔ یا بشرطِ فرصت ظہر، عصر، مغرب اور عشاء میں بعد آیۃ الکرسی تیسرا کلمہ سبحان اللہ والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر کی ایک تسبیح پڑھ لیا کریں۔

نمبر۶: بعد عشاء سوتے وقت محاسبہ و مراقبہ موت کیا کریں۔

محاسبہ: محاسبہ یہ کہ صبح اُٹھنے کے وقت سے شب کو سونے کے وقت تک اپنے اعمال کا سوچنا، عبادات و طاعات پر شکر اور طلب توفیق مزید کرنا اور اپنی کوتاہی اور نامناسب باتوں پر ندامت و استغفار۔

مراقبہ موت: نزع کی حالت اور قبر میں سوال جواب، میدانِ حشر، حساب و کتاب حق تعالیٰ کے سامنے پیشی اور جوابدہ ہونا اور پل صراط پر سے گزرنا۔ ان سب چیزوں کو سوچنا اور عہد کرنا کہ آئندہ کسی معصیت کے پاس نہ جاؤں گا۔ پھر ایک تسبیح استغفار کی پڑھنا۔ استغفار یہ ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ. سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الْعَظِیْمَ الَّذِیْ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ،

نمبر۷: اپنے آپکو سب سے کمتر جاننا حتیٰ کہ اپنی آنکھوں سے بھی کسی کو کیسا ہی بُرے سے بُرا کام کرتے ہوئے دیکھا جاوے تب بھی اس کو حقیر نہ جاننا چاہیئے۔ اپنے کو

اس سے اچھا نہ سمجھا بلکہ یہ ڈر اور خیال کرنا کہ کیا عجب ہے کہ یہ شخص پختہ توبہ کرکے نہایت درجہ متقی اور پرہیزگار ہو جائے اور میں خدا نہ کرے شیطان اور نفس کے بہکانے اور اغوا کرنے سے پھسل جاؤں اور یہ طاعات و عبادات قائم نہ رہیں۔ نہ خاتمہ کا علم ہے اس لیے کیا منہ ہے کہ اپنے کو کسی سے اچھا جانا جائے اور دوسرے کو حقیر سمجھا جائے۔

تنبیہ: یہ ساتواں جز اپنے کو کم سمجھنا سلوک میں اوّل قدم ہے۔ بدوں اس کے راستہ نہیں کھلتا۔

نمبر ۸: **معمولات:** ذکر دوازدہ تبیح یعنی ۲ تسبیح لا الٰہ الا اللہ کی اس کو نفی اثبات بھی کہتے ہیں، چار تسبیح الا اللہ کی، چھ تسبیح اللہُ اللہ اور ایک تسبیح اللہ اللہ کی، اسکے لئے فرصت نہ ہونے پر صرف پانچ منٹ روزانہ کوئی وقت مقرر کرکے ذکرِ اثبات و نفی اس طرح کہ چند بار لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاتے رہتے رہیں، یا صرف پانچ منٹ ذکر اسم ذات اللہ اللہ کر لیا کریں۔

نفل: اشراق، چاشت، اوابین، تہجد۔

روزے: ایام بیض یعنی ہر ماہ کی ۱۳، ۱۴، ۱۵ تاریخ ششش عید کے روزے، ذی الحجہ کے ۹ روزے یا صرف ایک روزہ عرفہ کا۔ محرم کے دو روزے دسویں، گیارہویں یا نویں دسویں شعبان کی ۱۵ تاریخ کا ایک روزہ۔

نمبر ۹: اپنے شیخ کی عقیدت اور محبت پوری طرح دل میں رکھنا اور یہ سمجھنا کہ اس وقت

موجودہ زمانے کے بزرگوں میں سب سے زیادہ نفع باطنی مجھے اپنے شیخ کے علاوہ کسی اور سے نہیں ملے گا۔

نمبر۱۰: اگر شیخ کی صُحبت میّسر ہو تو اسے حاصل کرے اور جب بھی ضروریات سے فرصت ملے تو خدمتِ شیخ میں حاضر ہو اور باادب بیٹھے۔

نمبر۱۱: شیخ کے پاس بیٹھ کر تسبیح یا کوئی وظیفہ وغیرہ نہ پڑھے بلکہ ہمہ تن ان کی باتوں کو غور سے سُنے۔

نمبر۱۲: ایسا کوئی عمل نہ کرے جس سے شیخ کو ایذا ہو، اگر کبھی خدانخواستہ ایسا ہو جائے تو فوراً معافی مانگ لے اور عذر کرنے یا بہانہ بنانے کی کوشش نہ کرے

نمبر۱۳: نماز پنج وقتہ باجماعت کی عادت ڈالے اور بلا عذر تارکِ جماعت نہ بنے۔

نمبر۱۴: کم عمر نابالغ بچوں سے زیادہ ملنے جُلنے اور بے تکلّف ہونے سے بچے۔ خصوصاً تنہائی کی حالت میں بالکل نہ ملے۔

نمبر۱۵: تضیع اوقات کا بہت زیادہ خیال رکھے۔ لوگوں میں بیٹھنا، ادھر ادھر کی گپیں مارنا، مذہبی یا سیاسی بحث کرنا، اس قسم کے تمام امور کی پوری طرح نگرانی کرے۔

نمبر۱۶: جو کام یا ملازمت یا تجارت جو کچھ بھی کرتا ہو دیانت داری سے کرے۔ خصوصاً ملازمت پیشہ حضرات، دفتر کی اشیاء، کاغذ، پنسل، سیاہی یا ٹیلی فون ذاتی کام کے لیے استعمال نہ کریں۔

نمبر۱۷: بجلی کا ناجائز استعمال، ریل گاڑی اور مقامی بسوں میں ٹکٹ نہ لینا، ٹیکس

میں چوری کرنا ، اس قسم کی حرام باتوں سے بچنا بہت ضروری ہے

نمبر۱۸: اپنے عہدے یا منصب سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے، نہ ہی کسی دوسرے کو ناجائز فائدہ پہنچائے۔

نمبر۱۹: غصہ ہرگز نہ کرے خصوصاً کمزوروں اور ماتحتوں پر اور یہ سوچ لیا کرے کہ اگر میں ان کی جگہ ہوتا اور یہ میری جگہ تو میرا کیا حال ہوتا۔

نمبر۲۰: حتی الامکان جائز کام کے لئے اگر کوئی رشوت طلب کرے تو نہ دے۔ اگر مجبوری ہو تو کسی عالم سے دریافت کرکے عمل کرے۔

نمبر۲۱: ماں باپ، عزیز و اقارب اور بزرگوں کی عزت کرے۔

نمبر۲۲: اگر فرصت ہو تو بعد نماز فجر سورۃ یٰسین، بعد نماز ظہر سورۃ فتح، بعد نماز عصر سورۃ نبا، بعد نماز مغرب سورۃ واقعہ بعد نماز عشاء سورہ ملک یا سورۃ الم سجدہ پڑھ لیا کرے (اس سے بھی زیادہ کی فرصت ہو تو شیخ کے مشورہ سے عمل کرے)۔

مطالعہ کتب

بہشتی زیور مکمل یا شروع کے حصے مع بہشتی گوہر۔ آداب الشیخ والمرید، اصول الوصول، حقوق الاسلام، فروع الایمان، صفائی معاملات، حیات المسلمین، شوق وطن آداب المعاشرت، جزاء الاعمال، تبلیغ دین (مگر اس کتاب میں طعام کے باب کے مطابق عمل نہ کیا جائے) تعلیم الدین، اصلاح الخیال، ملفوظات چاروں حصے از حضرت تھانوی نوراللہ مرقدہ، نشر الطیب، ایوان طریقت، شریعت و تصوف کو خود یا اپنے شیخ کے مشورے سے مطالعہ میں رکھیں۔